سلسلۂ انجمن ترقی اردو نمبر ۱۰۵

عرفانیاتِ فانی

یعنی

جناب شوکت علی خان صاحب فانی بدایونی

کے قدیم و جدید کلام کا مکمل مجموعہ

شائع کردۂ

انجمن ترقی اردو (ہند)، دہلی

۱۹۳۹ء

خانصاحب عبداللطیف نے لطیفی پریس دہلی میں چھاپا

اور

مینیجر انجمنِ ترقیِ اُردو (ہند) نے دہلی سے شایع کیا

صحت نامہ

عرفانیاتِ فانیؔ

ناظرین سے درخواست ہی کہ مطالعہ سے پیشتر نقشۂ ذیل کے مطابق صحت اور ترمیم فرمالیں۔ بعض غلطیاں کتابت کی ہیں لیکن بعض جگہوں پر خود حضرتِ فانیؔ نے ترمیم فرمائی ہی۔

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۲	۱۶	اِک دم	اِک دن	۴۴	۲۱	عین	عیش
۱۸	۸	ہے	ہی	۵۱	۱۴	یادِ وصال	یاد و وصال
۲۰	۳	یا	یہ	۵۲	۱	بہانہ ساز	بہانہ باز
۲۲	۱	آسان نہ تھی	آساں نہ اُٹھی	۶۴	۲	دلوانے	دیوانے
”	۶	رات	رُت	۶۸	۱۳	شانِ جلال	شانِ جمال
۲۳	۲	آتا تھا	آیا تھا	”	۲۰	یہ	بہ
”	۱۹	فانیؔ کو کیسا ہی ہی	فانیؔ گو کیسا ہی سہی	۷۱	۱۴	عقل غم	عقل و غم
۲۴	۶	دِل	دِن	۸۶	۴	شانہ	شانِ
۲۸	۱۶	دعوائے	دعوئے	۸۹	۱۷	اب تدبیر	اب اِس تدبیر
۳۴	۲	کچھ بھی نہیں	کچھ بھی ہی	۹۰	۱۸	جنازہ	جنازے
۳۶	۴	بیاباں پر	گریباں پر	۹۶	۱۳	کہ گئی	کہ گئی
”	۱۰	بندہ نے	بندے نے	۹۸	۱۴	چلی بھی	چلی ہی
۳۷	۴	دل کی بستی	دل کہ بستی	”	”	یاس ہی	یاس بھی
۴۳	۱۷	کیوں ہی	کیوں ہو	۹۹	۱۲	بدل ڈالی	مٹا ڈالی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۰۰	۱۶	ڈہائی	دُہائی	۱۱۹		(صفحہ) ۱۱۹	(صفحہ) ۱۲۱
۱۰۲	۷	جو بچا نہ سکے	جو دل بچا نہ سکے	"	۱	قطعہ بتقریب سالگرہ	معرفت نفس
۱۰۹	۱۹	تیور	تیوری			سرسید احمد خان بہادر	
۱۱۰	۱۶	آے یا نہ آئے وہ	آئیے یا نہ آئیے	"	۲	جمال تصرف	جمال تصور
۱۱۲	۷	زنداں	رنداں	۱۲۰		(صفحہ) ۱۲۰	(صفحہ) ۱۲۲
"	۱۲	ترا	تیرا	۱۲۱		" ۱۲۱	" ۱۱۹
"	"	کوشش کو	کوشش کا	۱۲۲		۱۲۲	" ۱۲۰
"	"	ارمانوں کا	ارمانوں کو	۱۲۴	۱۷	بات	ذات
۱۱۴	۱۲	آنکھ بند کیوں	آنکھ بند نہ کیوں	۱۳۲	۲	کلیوں کو سب	کلیوں کو تو سب
		نہ رہا کرے	رہا کرے	۱۳۳	۷	اور چمن	اور نہ چمن
"	"	دید ہو امید	دید ہو یا امید	۱۳۷	۱	ضمیمہ	ضمیمہ
۱۱۵	۱۰	ناخدا بھی	ناخدا ہی			باقیات فانی	عرفانیات فانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تیر انگارہ شوق کوئی رازداں نہ تھا
آنکھوں کو ورنہ جلوۂ جاناں کہاں نہ تھا

عالم جُز اعتبارِ نہاں و عیاں نہ تھا
یعنی کہ تو عیاں نہ ہوا اور نہاں نہ تھا

اب تک تری گلی میں یہ رسوائیاں نہ تھیں
اب تک تو اس زمیں پہ کوئی آسماں نہ تھا

کیا دن تھے جب مآلِ وفا کی خبر نہ تھی
وہ دن بھی تھے کہ حالِ وفا داستاں نہ تھا

تلقینِ صبر دل سے کوئی دشمنی نہ تھی
دیکھا یہ حال قابلِ شرح و بیاں نہ تھا

مفہوم کائنات تمہارے سوا نہیں
تم چھپ گئے نظر سے تو سارا جہاں نہ تھا

ہر شاخ ہر شجر سے نہ تھی بجلیوں کو لاگ
ہر شاخ ہر شجر پہ مرا آشیاں نہ تھا

آغوشِ موت میں ہوں تو دامانِ یار ہوں
وہ دن گئے کہ مجھ پہ کوئی مہرباں نہ تھا

آزردہ تھا کہ ضبطِ فغاں میں اثر نہیں
شرمندہ ہوں کہ ضبطِ فغاں رائیگاں نہ تھا

ہو بھی چکے تھے دامِ محبت میں ہم اسیر
عالم ابھی بقید زمان و مکاں نہ تھا

اللہ رے بے نیازیٔ آدابِ التفات
دیکھا مجھے تو پائے نظر درمیاں نہ تھا

میرے دلِ غیور کا حسنِ طلب تو دیکھ
گویا زباں پہ حرفِ تمنا گراں نہ تھا

تو نے کرم کیا تو بہ عنوانِ رنجِ زیست — غم بھی مجھے دیا تو غمِ جاوداں نہ تھا

فانیؔ فسونِ موت کی تاثیر دیکھنا
ٹھہرا وہ دل کہ جس پہ سکوں کا گماں نہ تھا

ٹوٹا طلسمِ ہستیٔ فانیؔ کے راز کا — احسان مند ہوں المِ جاں گداز کا
تمہید صد ہزار قیامت ہی ہر نفس — عنوانِ شوق ہوں گلہ ہائے دراز کا
عبرت سرائے دل میں ہوں آوازۂ شکست — مارا ہؤا ہوں خاطرِ حسرت نواز کا
اٹھتی نہیں ہی تہمتِ نظارۂ جمال — مُنہ دیکھتا ہوں جلوۂ نظارہ ساز کا
ناآشنائے لطف ہوں بیگانۂ عتاب — صورت شناس ہوں نگہ امتیاز کا
احساسِ غیرِ بادہ گوارا ہؤا مجھے — لا جام ساقیا مئے مینا گداز کا

فانیؔ دوائے دردِ جگر زہر تو نہیں
کیوں ہاتھ کانپتا ہی مرے چارہ ساز کا

اور تسلی سے سوا ہو گیا — دردِ جگر یہ تجھے کیا ہو گیا
موت کی نیند آ گئی بیمار کو — غیب سے سامانِ شفا ہو گیا
اور ہی بل ہی تری زلفوں میں آج — کون گرفتارِ بلا ہو گیا
چارہ تپ ہجر کا اب کیا کروں — زہر بھی کمبخت دوا ہو گیا
اب بھی ترا وعدہ وفا ہو نہ ہو — موت کا وعدہ تو وفا ہو گیا
مفت دو عالم ہی وہ تیرِ نگاہ — جو مری شامت سے خطا ہو گیا
ہوش ہی تھا ہجر کہ میں آپ سے — آپ میں آتے ہی جدا ہو گیا

بے اجل کام نہ اپنا کسی عنواں نکلا — دم تو نکلا مگر آزردۂ احساں نکلا
آ گئی ہی ترے بیمار کے منہ پر رونق — جان کیا جسم سے نکلی کوئی ارماں نکلا

دلِ آگاہ سے کیا کیا ہمیں امیدیں تھیں
وہ بھی قسمت سے چراغِ تہِ داماں نکلا

دل بھی تھا منہ سے بس اک آہ نکل جانے تک
آگ سینے میں لگا کر غمِ پنہاں نکلا

چارہ گر، ناصحِ مشفق دلِ بے صبر و قرار
جو ملا عشق میں غمخوار وہ ناداں نکلا

شکوہ منظور نہیں تذکرۂ عشق نہ چھیڑ
کہ وہ درپردہ مرا حال پریشاں نکلا

بجلیاں شاخِ نشیمن پہ بچھی جاتی ہیں
کیا نشیمن سے کوئی سوختہ ساماں نکلا

اب جنوں سے بھی توقع نہیں آزادی کی
چاک داماں بھی باندازۂ داماں نکلا

ہائے وہ وعدۂ فردا کی مدد وقتِ اخیر
ہائے وہ مطلب دشوار کہ آساں نکلا

شوقِ بیتاب کا انجام تحیّر پایا
دل سمجھتے تھے جسے دیدۂ حیراں نکلا

اس نے کیا سینۂ صد چاک سے کھینچا **فانیؔ**
دل میں کہتا ہوں وہ کہتا ہے کہ پیکاں نکلا

زندگی کا کوئی پہلو ہی نہ تھا جو غم نہ تھا
ہوش کا سودا جنونِ عاشقی سے کم نہ تھا

یوں نہ تھے محرومِ مرگِ ناگہاں بیمارِ عشق
وہ بھی دن تھے جب مزاجِ زندگی برہم نہ تھا

مجھ سے ہر جلوے نے سیکھا امتیازِ قلب و سنگ
ورنہ حسنِ دوست کا آگے تو یہ عالم نہ تھا

دل کی قسمت ہی بری تھی ورنہ کوئے دوست میں
تھا کوئی ذرّہ جو دل کے درد کا محرم نہ تھا

رسمِ خودداری سے گو واقف نہ تھی دنیائے عشق
پھر بھی اپنا زخمِ دل شرمندۂ مرہم نہ تھا

رفتۂ بیمِ خزاں تھی اس چمن کی ہر بہار
خندۂ گل تھا مگر بے گریۂ شبنم نہ تھا

عرش کی منزل بھی تھی کیا بارگاہِ قلبِ دوست
کیا اب اتنا بھی اس آہِ نارسا میں دم نہ تھا

دل میں **فانیؔ** اک نہ اک ہنگامہ برپا ہی رہا
شوق تھا جب تک کسی کے شوق کا ماتم نہ تھا

خلق کہتی ہے جسے دل ترے دیوانے کا
ایک گوشہ ہے یہ دنیا اسی ویرانے کا

اک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا
زندگی کاہے کو ہے خواب ہے دیوانے کا

حسن ہی ذات مری عشق صفت ہی میری
ہوں تو میں شمع مگر بھیس ہی پروانے کا

کعبہ کو دل کی زیارت کے لیے جاتا ہوں
آستانہ ہی حرم میرے صنم خانے کا

مختصر قصۂ غم یہ ہی کہ دل رکھتا ہوں
رازِ کونین خلاصہ ہی اس افسانے کا

زندگی بھی تو پشیماں ہی یہاں لا کے مجھے
ڈھونڈتی ہی کوئی حیلہ مرے مرجانے کا

تم نے دیکھا ہی کبھی گھر کو بدلتے ہوئے رنگ
آؤ دیکھو نہ تماشا مرے غم خانے کا

اب اسے دار پہ لے جا کے سُلا دے ساقی
یوں بہکنا نہیں اچھا ترے مستانے کا

دل سے پہنچی تو ہیں آنکھوں میں لہو کی بوندیں
سلسلہ شیشے سے ملتا تو ہی پیمانے کا

ہڈیاں ہیں کئی لپٹی ہوئی زنجیروں میں
لیے جاتے ہیں جنازہ ترے دیوانے کا

وحدتِ حسن کے جلووں کی یہ کثرت اے عشق
دل کے ہر ذرّے میں عالم ہی پری خانے کا

چشمِ ساقی اثرِ مے سے نہیں ہی گلرنگ
دل مرے خون سے لبریز ہی پیمانے کا

لوحِ دل کو غمِ الفت کو قلم کہتے ہیں
کُن ہی اندازِ رقم حسن کے افسانے کا

ہم نے چھانی ہیں بہت دیر و حرم کی گلیاں
کہیں پایا نہ ٹھکانا ترے دیوانے کا

کس کی آنکھیں دمِ آخر مجھے یاد آئی ہیں
دل مرقع ہی چھلکتے ہوئے پیمانے کا

کہتے ہیں کیا ہی مزے کا ہی فسانہ فانی
آپ کی جان سے دور آپ کے مرجانے کا

ہر نفس عمرِ گزشتہ کی ہی میّت فانی
زندگی نام ہی مر مر کے جیے جانے کا

ہر دل کو تیرے غم نے مسلماں بنا دیا
توفیقِ اضطراب کو ایماں بنا دیا

رگ رگ کو دردِ دل نے رگِ جاں بنا دیا
اس کفرِ ماسوا کو بھی ایماں بنا دیا

جب درد کو امانتِ درماں ہوئی سپرد
درمانِ عشق کو غمِ درماں بنا دیا

میری نگاہِ معترفِ عجز خاک تھی
تیری نظر نے خاک کو انساں بنا دیا

جب اس نے غم سے پردہ اٹھایا تو عشق تھا
جب دل کو بے نقاب کیا جاں بنا دیا

کیفیتِ نگاہ سرور آفریں نہ پوچھ / شبنم کو جس نے بادۂ عرفاں بنا دیا
ہر روئے گل کو جلوہ گہِ کیفِ صد بہار / ہر بوئے گل کو میکدۂ جاں بنا دیا
غم کو بنا کے محرمِ اسرارِ کائنات / ہر نقش غم کو پیکرِ انساں بنا دیا
دے کر دلِ فسردۂ **فانیؔ** کو سوزِ عشق
ہر آرزو کو شعلہ بداماں بنا دیا

کسی کے ایک اشارے میں کس کو کیا نہ ملا / بشر کو زیست ملی موت کو بہانہ ملا
مذاقِ تلخ پسندی نہ پوچھ اس دل کا / بغیر مرگ جسے زیست کا مزا نہ ملا
دبی زباں سے مرا حال چارہ ساز نہ کہہ / بس اب تو زہر ہی دے زہر میں دوا نہ ملا
خدا کی دین نہیں ظرفِ خلق پر موقوف / یہ دل بھی کیا ہے جسے درد کا خزانہ ملا
دعا گدائے اثر ہے گدا پہ تکیہ نہ کر / کہ اعتمادِ اثر کیا ملا ملا نہ ملا
ظہورِ جلوہ کو ہے ایک زندگی درکار / کوئی اجل کی طرح دیر آشنا نہ ملا
تلاشِ خضر میں ہوں روشناسِ خضر نہیں / مجھے یہ دل سے گلہ ہے کہ رہنما نہ ملا
نشانِ مہر ہے ہر ذرہ ظرفِ مہر نہیں / خدا کہاں نہ ملا اور کہیں خدا نہ ملا
مری حیات ہے محرومِ مدعائے حیات / وہ رہ گزر ہوں جسے کوئی نقشِ پا نہ ملا
وہ نامرادِ اجل بزمِ **یاسؔ** میں بھی نہیں
یہاں بھی **فانیؔ** آوارہ کا پتا نہ ملا

خود برق ہو اور طورِ تجلا سے گزر جا / خود شعلہ بن اور وادیِ سینا سے گزر جا
بے واسطۂ خود نگری اپنی طرف دیکھ / آئینہ اٹھا حسنِ خود آرا سے گزر جا
یہ نقشِ قدم ہیں رہِ بے منزلِ دل میں / فردا تو ہے فردا پسِ فردا سے گزر جا
اپنی ہی نگاہوں کا یہ نظارہ کہاں تک / اس مرحلۂ سعیِ تماشا سے گزر جا

۱؎ یاس عظیم آبادی

ذرّے میں ہی گم وسعتِ صد عالمِ صحرا — ذرّے کو سمجھ وسعتِ صحرا سے گزر جا
کر قطعِ نظر وسوسۂ قلب و نظر سے — ہر جلوۂ پوشیدہ و پیدا سے گزر جا
کعبہ ہو کہ ہو دیر وہ دنیا ہو کہ عقبیٰ — ہر منزل و ہر جادہ و ہر جا سے گزر جا
ای عزم خبر ہوش کے پردوں کو الٹ دے — ای ذوقِ نظر محملِ لیلا سے گزر جا
یوں سب کو بھلا دے کہ تجھے کوئی نہ بھولے — دنیا ہی میں رہنا ہی تو دنیا سے گزر جا
اُٹھ بزمِ تحیر سے وہ کہتے ہیں ادھر آ — جا اور حدِ امکانِ تمنا سے گزر جا
لے دیدۂ دل کھول وہ کہتے ہیں ادھر دیکھ — دیکھ اور حدِ آدابِ تماشا سے گزر جا

کشتی کا سہارا ہی تو گرداب ہی فانیؔ
دریا ہی میں تو ڈوب کے دریا سے گزر جا

ہل گیا زنداں بُرا ہو نالۂ شبگیر کا — چونک اٹھا گھبرا کے ہر حلقہ مری زنجیر کا
میری تدبیروں کی مشکل اب تو یارب سہل کر — کیا یہ ساری عمر مُنہ تکتی رہیں تقدیر کا
میرے دل سے پوچھتے ہیں آپ کیا وجہِ خلش — یاد ہی گم ہو گیا تھا کوئی پیکاں تیر کا
عشق کا بھی کیا تصرّف ہی کہ دل اب دل نہیں — آئینہ ہی غم کی جیتی جاگتی تصویر کا
آپ کی آزردگی بے سبب بھی خوب ہی — کیا مزے کا ہی تقاضا عذرِ بے تقصیر کا
کس نظر سے اس نے دیکھا اپنے دامن کی طرف — کانپ اُٹھا ہر ذرّہ میری خاکِ دامنگیر کا
برق کو اب کیا غرض کیا رہ گیا کیا جل گیا — جل گیا خرمن میں جو کچھ تھا مری تقدیر کا
فکرِ راحت چھوڑ بیٹھے ہم تو راحت مل گئی — ہم نے قسمت سے لیا جو کام تھا تدبیر کا

نامرادی حد سے گزری حال فانیؔ کچھ نہ پوچھ
ہر نفس ہی اک جنازہ آہِ بے تاثیر کا

رازِ دل سے نہیں واقف دلِ ناداں میرا — تیرے عرفاں سے بھی دشوار ہی عرفاں میرا
اُڑ چلے کیوں مری وحشت کے بکھرے ہوئے تار — کس کے دامن سے اُلجھتا ہی گریباں میرا

جلوۂ آتش پنہاں جسے غم کہتے ہیں
دل ہؤا بجھ کے وہی شعلۂ عریاں میرا

کیوں جنوں پھر نہ بیاباں میں بہار آئی ہو
بڑھ چلا ہی مرے دامن سے گریباں میرا

کھول دے رازِ فریب غم و راحت نہ کہیں
خندۂ عیش پہ یہ گریۂ حیراں میرا

فطرتِ عشق کی آزاد اداؤں کو تو دیکھ
وسعتِ عالمِ تخییل ہی زنداں میرا

آ دمِ نزع اور اک وعدۂ فردا بھی یہی
جان کے ساتھ نکل جائے نہ ارماں میرا

چشمِ تر حاملِ آثارِ جنوں ہی فانی
کھو گیا ہی اسی دریا میں بیاباں میرا

یہ کس قیامت کی بے کسی ہی نہ میں ہی اپنا نہ یار میرا
نہ خاطرِ بے قرار میری نہ دیدۂ اشکبار میرا

نشانِ تربت عیاں نہیں ہی نہیں کہ باقی نشاں نہیں ہی
مزار میرا کہاں نہیں ہی کہیں نہیں ہی مزار میرا

وصال تیرا خیال تیرا جو ہو تو کیوں کر نہ ہو تو کیوں کر
نہ تجھ پہ کچھ اختیار دل کا نہ دل پہ کچھ اختیار میرا

نگاہِ دل دوز کی دُہائی جمالِ جاں سوز کی دُہائی
رہِ محبت میں غم نے لوٹا شکیب و صبر و قرار میرا

میں دردِ فرقت سے جاں بلب ہوں تمھیں یقین وفا نہیں ہی
مجھے نہیں اعتبار اپنا تمھیں نہیں اعتبار میرا

قدم نکال اب تو گھر سے باہر جو دم بھی سینے سے سہل نکلے
دکھا نہ اب انتظار اپنا لحد کو ہی انتظار میرا

سنا ہی اٹھا ہی اک بگولہ جلو میں کچھ آندھیوں کو لے کر
طوافِ دشتِ جنوں کو شاید گیا ہی فانی غبار میرا

تو اور درِ جاناں مگر اپنی سی تو کر جا
قسمت کو رسائی نہیں منظور مگر جا

ہستی و فنا راحت و ایذا سے گزر جا
جب سرحدِ دل سامنے آجائے ٹھہر جا

بھر لے نگہِ آخر بیرنگ میں ہر رنگ
دنیا کو بھی لیتا ہؤا دنیا سے گزر جا

خالی لیے بیٹھا ہوں تری بزم میں ساغر
مے میرے مقدر میں نہیں زہر ہی بھر جا

ہے موت ہی اک زندگیٔ دل کا سہارا
جینے کی جو ایسی ہی تمنا ہے تو مر جا

سرکارِ محبت میں خبر بے ادبی ہے
اے نشۂ دیوانگیٔ ہوش اُتر جا

اک عمر پرستارِ شبِ ہجر رہا تھا
اے زلفِ سیہ ماتمِ فانیؔ میں بکھر جا

قربانِ عشق موت بھی آئی تو کیا ہؤا
اس تیرِ بے خطا کا نشانہ خطا ہؤا

کیوں خونِ دل لگی ہی رہے گی جگر میں آگ
اے ننگِ عاشقی تری غیرت کو کیا ہؤا

قاتل سنبھل کہ یہ نگہِ واپسیں نہیں
خنجر ہے میرے دل کے لہو میں بجھا ہؤا

اے جذبِ بیخودی ترے قربان جائیے
پھرتا ہے دل میں کوئی مجھے ڈھونڈھتا ہؤا

طوفاں ہے ایک کیا مجھے طوفاں سے کم نہیں
لنگر ہؤا سفینہ ہؤا ناخدا ہؤا

میری ہوس کو عیشِ دو عالم بھی تھا قبول
تیرا کرم کہ تو نے دیا دل دُکھا ہؤا

فانیؔ طلسمِ رازِ حقیقت یہ ہے کہ ہے
تجھ پر تری نگاہ کا پردہ پڑا ہؤا

کیوں جفا کیش کبھی تو بھی جفا کوش نہ تھا
وہ بھی دن تھے کہ خود اپنا ہی تجھے ہوش نہ تھا

اب جو ہیں تو نے وہ کی تھیں نہ بلائیں نازل
زلف بر دوش نہ تھا غیر سے ہم دوش نہ تھا

بھول جانے کے سوا اب تجھے کچھ یاد نہیں
کل کی ہے بات کہ تو وعدہ فراموش نہ تھا

بے تکلّف نگہِ مست پچھکا دیتی تھی
میں تری بزم میں حسرت زدۂ نوش نہ تھا

نگہِ شوق نہ تھی کیفِ اثر سے محروم
میری قسمت میں غمِ بادۂ سرجوش نہ تھا

دل مشتاق نہ تھا شکوہ طرازِ تپِ ہجر
گلۂ غم کا مرقع لبِ خاموش نہ تھا

ظلمت شام میں تھا نور سحر کا عالم
آسماں صبح کے ماتم میں سیہ پوش نہ تھا

تجھ میں اور تیرے تصور میں جُدائی تھی محال
درمیاں کوئی حجابِ غم آغوش نہ تھا

یادِ ایّام کہ فانی کے سوا تیرا ذکر
فتنۂ ہر لب و آوارۂ ہر گوش نہ تھا

یہ ضبط بھی ادب آموزِ امتحاں نہ ہوا
کوئی ستم کبھی تقریبِ الاماں نہ ہوا

سبک سری ہو ترے عشق سے سبکدوشی
بلائے جاں ہو وہ دل جو بلائے جاں نہ ہوا

اجل کے زیر اثر ہو وہ نقش ہستی کیا
ہوا کہ برق کے سایہ میں آشیاں نہ ہوا

کسی کی پرسش پنہاں سے کیوں ہو داد طلب
وہ حال جو کبھی منت کشِ زباں نہ ہوا

فغاں نے کوئی اثر تو کیا یہ کیا کم ہے
یہی سہی کہ وہ آزردۂ فغاں نہ ہوا

دل آپ یار سے رودادِ غم کہے تو کہے
مری زباں سے تو یہ ماجرا بیاں نہ ہوا

جہان جاں میں نہیں یادِ یار دل میں نہیں
جمالِ یار کا چرچا کہاں کہاں نہ ہوا

ہر آن فتنہ ہے ہر فتنہ اک قیامت ہے
ترا شباب ہوا دور آسماں نہ ہوا

ہمیں ابھی ترے اشعار یاد ہیں فانی
ترا نشاں نہ رہا اور بے نشاں نہ ہوا

فضائے شوق کا وہ شعلہ زار نور ہو جانا
وہ اک اک ذرۂ دُنیائے دل کا طُور ہو جانا

مجھی پر منحصر ٹھہرا مرا مجبور ہو جانا
مری ہستی ہے خود اپنی نظر سے دُور ہو جانا

اسیر بند دل ہو کر غم دنیا سے فارغ ہوں
مری آزادیوں کا راز ہے مجبور ہو جانا

مجھ کو مرے نصیب نے روزِ ازل نہ کیا دیا
دولتِ دو جہاں نہ دی اک دلِ مبتلا دیا

دل ہی نگاہِ ناز کا ایک اداشناس تھا
جلوۂ برقِ طُور نے طُور کو کیوں جلا دیا

قبر میں جب کسی طرح دل کی تڑپ نہ کم ہوئی
یادِ خرامِ ناز نے حشر کا آسرا دیا

روزِ جزا گلہ تو کیا شکرِ ستم ہی بن پڑا
ہائے کہ دل کے درد نے درد کو دل بنا دیا

اب مری لاش پر حضور موت کو کوستے تو ہیں
آپ کو یہ بھی ہوش ہے کس نے کسے مٹا دیا

دل میں سما کے پھر گئی آس بندھا کے پھر گئی
آج نگاہِ دوست نے کعبہ بنا کے ڈھا دیا

اُن کے گناہگار ہم ہیں تو مگر خطا معاف
آٹھ پہر کے درد نے دل ہی تو ہے دُکھا دیا

آپ ہم اپنی آگ میں اے غمِ عشق جل بجھے
آگ لگے اس آگ کو پھونک دیا جلا دیا

یوں نہ کسی طرح کٹی جب مری زندگی کی رات
چھیڑ کے داستانِ غم دل نے مجھے سلا دیا

گریۂ آتشیں کی داد دے شبِ غم تو کون دے
خود سرِ شام کیا بجھی شمع نے دل بجھا دیا

یاس نے درد ہی نہیں حق تو یہ ہے دوا بھی دی
فانیؔ نا امید کو موت کا آسرا دیا

بے اعتبار وعدۂ فردا نہیں رہا
اب یہ بھی زندگی کا سہارا نہیں رہا

تم مجھ سے کیا پھرے کہ قیامت سی آگئی
یہ کیا ہوا کہ کوئی کسی کا نہیں رہا

کیا کیا گلے نہ تھے کہ ادھر دیکھتے نہیں
دیکھا تو کوئی دیکھنے والا نہیں رہا

آہیں ہجومِ یاس میں کچھ ایسی کھو گئیں
دل آشنائے درد ہی گویا نہیں رہا

اللہ رے چشمِ ہوش کی کثرت پرستیاں
ذرّے ہی رہ گئے کوئی صحرا نہیں رہا

دے ان پہ جان جس کو غرض ہو کہ دل کے بعد
ان کی نگاہ کا وہ تقاضا نہیں رہا

تم دو گھڑی کو آئے نہ بیمار کے قریب
بیمار دو گھڑی کو بھی اچھا نہیں رہا

فانیؔ بس اب خدا کے لیے ذکرِ دل نہ چھیڑ
جانے بھی دے بلا سے رہا یا نہیں رہا

کچھ اس طرح تڑپ کے میں بے قرار رویا
دشمن بھی چیخ اٹھا بے اختیار رویا

کیا اس کو بے قراری یاد آگئی ہماری
ہل ہل کے بجلیوں سے ابرِ بہار رویا

آیا ہی بعد مدت بچھڑے ہوئے ملے ہیں
دل سے لپٹ لپٹ کر غم بار بار رویا
نازک ہی آج شاید حالت مریض غم کی
کیا چارہ گر نے سمجھا کیوں زار زار رویا
کچھ بھی ہوں برق و باراں ہم تو یہ جانتے ہیں
اک بے قرار تڑپا اک دل فگار رویا
فانی کو یا جنوں ہی یا تیری آرزو ہی
کل نام لے کے تیرا دیوانہ وار رویا

واہمے کی یہ مشق پیہم کیا
یاس و امید۔ شادی و غم کیا
تم کو اس رازِ ماسوا کی قسم
تم پہ چھایا ہوا ہی عالم کیا
ان کے آگے غم اک فسانہ ہی
ان سے کہیے فسانۂ غم کیا
عیشِ رفتہ کی یاد سے حاصل
قصۂ خلد و ذکر آدم کیا
تا کجا آہ زیرِ لب آخر
انتہائے سکوت برہم کیا
غمِ دنیا بقدر ظرف نہیں
حسرت بیش و شکوۂ کم کیا
سوزِ غم کی حدیں نہیں ملتیں
بجھ گئی آتش جہنم کیا
گرم و سرد زمانہ جو کچھ ہو
ورنہ فردوس کیا جہنم کیا
موت جس کی حیات ہو فانی
اس شہیدِ ستم کا ماتم کیا

کہتا ہی غمِ یار میں ہوں جانِ تمنا
دنیا ہی مری عالم امکانِ تمنا
مضمون تو مکتوب ازل کا نہیں معلوم
لکھا ہی مرے خون سے عنوانِ تمنا
آہستہ گزر صرصرِ غم وادیٔ دل کا
برباد نہ کر خاکِ شہیدانِ تمنا
جز داغ نہیں کوئی چراغ سرِ تربت
سینہ ہی مرا گورِ غریبانِ تمنا
ہی یاد تری رونق خلوت گہِ خاطر
ہی ذکر ترا شمع شبستانِ تمنا
نالے ہیں نہ آہیں نہ خلش ہی نہ تپش ہی
باقی نہ رہا کوئی زباں دانِ تمنا

کیفیت ناکامیٔ دل کیا کہوں فاؔنی

دل ٹوٹ گیا توڑ کے پیمانِ تمنّا

جسے ترکِ حسرت کا ارمان ہوگا | پشیمان سا وہ پشیمان ہوگا
جسے لوگ کہتے ہیں عشاق کا دل | وہ تیرے ہی ملنے کا ارمان ہوگا
ادائے تغافل کے مارے ہوؤں پر | ستم بھی کروگے تو احسان ہوگا
ترے عہد آزاد میں جوشِ وحشت | گریبان گویا گریبان ہوگا
نہیں کچھ وفاؤں پہ موقوف ظالم | مرے بعد تو بھی پشیمان ہوگا

بُرا تو نہیں خواہ کچھ بھی ہو فاؔنی
وہ کافر نہ ہوگا مسلمان ہوگا

کچھ کم تو ہوا رنج فراوانِ تمنّا | آغازِ جنوں گو نہیں پایانِ تمنّا
پھر یاس نے رکھا ہے قدم خانۂ دل میں | یعنی ہے اب اللہ نگہبانِ تمنّا
گو چاک ہوا دل مگر ارمان نہ نکلے | بے فائدہ کھولا درِ زندانِ تمنّا
افسانہ مرا خوابِ زلیخائے محبت | جلوہ ہے ترا یوسفِ کنعانِ تمنّا
جز وعدۂ باطل نہیں بنیاد کچھ اس کی | دل کانپ اٹھا دیکھ کے ایوانِ تمنّا
اک جان ہے وہ خیر سے دارفتۂ غم ہے | اک دل ہے سو ہے سوختہ سامانِ تمنّا

فاؔنی کا دم اک دم ترے قدموں پہ نکل جائے
دل کی یہ تمنّا ہے اب اے جانِ تمنّا

جستجوئے نشاطِ مبہم کیا | دل میسر ہے لذّتِ غم کیا
مستیٔ ہوش کے فسانے ہیں | جشنِ پرویز و عشرتِ جم کیا
ایک عالم کو دیکھتا ہوں میں | یہ ترا دھیان ہے مجسم کیا
اذنِ ہنگامۂ نگاہ نہ دے | کیا ہماری بساط اور ہم کیا

ننگِ رحمت ہی احتیاجِ دُعا — انتظارِ گدائے مبرم کیا
میری فطرت ہی گوش بر آواز — سن رہا ہوں نوائے محرم کیا
مٹ گیا نام عاشقی اب اور — چاہتا ہی وہ حسنِ برہم کیا
کاش پوچھو تو کچھ بتائیں ہم — حاصلِ شکوہ ہائے باہم کیا

دل کمالِ حیات ہی فانی
دل کے مارے ہوؤں کا ماتم کیا

مُدّت سے ہی دل خانۂ ویرانِ تمنّا — اب کوئی تمنّا ہی نہ سامانِ تمنّا
سمجھو تو بہت فرق ہی اغیار میں مجھ میں — میں آپ پہ قربان وہ قربانِ تمنّا
پہلو بھی بدلنے نہیں پاتے مرے ارماں — اب ضبط سے دل ہی ادبستانِ تمنّا
کیا چارہ گر اب بھی تجھے امیدِ شفا ہی — یہ زخم ہی یہ دل ہی بہ پیکانِ تمنّا
آلودہ نہیں خونِ تمنّا سے وہ دامن — رنگیں ہی مرے خون سے دامانِ تمنّا
اللہ بچائے نظرِ یاس سے دل کو — امید ہی پھر سلسلہ جنبانِ تمنّا

یہ سحر ہی فانی کہ غمِ عشق ہی کیا ہی
دل قطرۂ خوں جس میں یہ طوفانِ تمنّا

غمِ فانی و عیش برہم کیا — جاوداں ہو تو عیش ہی غم کیا
ہر تجلّی ہی اک نظامِ جمال — لاکھ عالم ہیں ایک عالم کیا
تم سے نسبت ہی اعتبار اپنا — ہم تمھارے ہیں ورنہ پھر ہم کیا
غم تو واعظ غمِ بہشت بھی ہی — امتیازِ غمِ جہنّم کیا
لاگ ہی اپنی زندگی سے مجھے — اور ناسازگاریٔ غم کیا
یہ بھی اک التفات ہی ورنہ — دعوتِ نالہ ہائے پیہم کیا
یہ حجابات بھی اُٹھا آخر — دلِ پُردرد و چشمِ پُرنم کیا

پھر ملی غیب سے نوید نشاط — غم کے ساماں ہوئے فراہم کیا

یادِ فانی بخیر کیوں ای موت
اُٹھ رہا ہی یہ شورِ ماتم کیا

وائے نادانی یہ حسرت تھی کہ ہوتا در کھلا — ہم قفس رازِ اسیری کیا کہیں کیوں کر کھلا
فرصتِ رنجِ اسیری دی نہ ان دھڑکوں نے ہائے — اب چھُری صیاد نے لی اب قفس کا در کھلا
اللہ اللہ اگ دعائے مرگ کے دو دو اثر — واں کھلا بابِ اجابت یاں قفس کا در کھلا
اُف اس آزادیِ بے ہنگام کی مجبوریاں — میں قفس کے پاس یوں بیٹھا ہی رہتا پر کھلا
عجلت پرواز جب ملنے بھی دے راہ گریز — یوں تو کھلنے کو قفس کا در کھلا اکثر کھلا
بند ہی باب قفس ہو سر تو پٹکے جائیے — ہم نے دیکھا ہی قفس کی تیلیوں میں در کھلا
کم تو کیا صیاد بے تابی سوا ہو جائے گی — تو نے ناحق تیلیوں میں رکھ دیا خنجر کھلا
آسماں گرم تلافی چاہیے کیسا قفس — بجلیوں کے اک اشارے میں قفس کا در کھلا
ہجر ساقی میں ہمارے گھر کی کیفیت نہ پوچھ — بند در ہر شیشہ خالی دل بھرا ساغر کھلا
لکھ چکے ہم جا چکا خط گر یہی حالت رہی — ہاتھ میں آیا قلم اور شوق کا دفتر کھلا
دل میں زخم، اشکوں میں خوں، صورت ہیں عالم ہیں پر — وہ نگہ اُف وہ مژہ ناوک چھپا نشتر کھلا
دم بخود، سکتے کا عالم، مردنی چھائی ہوئی — رنگ میری زندگی کا میری میّت پر کھلا

دیکھیے کیا گل کھلاتی ہی بہار اب کے برس
خواب میں فانی نے دیکھا ہی قفس کا در کھلا

جن خاک کے ذرّوں پر وہ سایۂ محمل تھا — جو خاک کا ذرّہ تھا وحشت کدۂ دل تھا
بیداد کی ہر تہ میں سو طرح سے شامل تھا — وہ جان کا دشمن جو کہنے کو مرادِ دل تھا
غم حسنِ مکمل تھا دل حیرتِ کامل تھا — تصویر کا آئینہ تصویر کے قابل تھا
ہم جی سے گزر جانا آسان سمجھتے تھے — دیکھا تو محبت میں یہ کام بھی مشکل تھا

آئینہ و دل دونوں کہنے ہی کی باتیں تھیں — تیری ہی تجلی تھی اور تو ہی مقابل تھا
ہر باطل و ہر ناحق اک رازِ حقیقت ہے — جس شکل میں حق آیا وابستۂ باطل تھا

ہاں آپ کسی کو یوں برباد نہیں کرتے
یہ فانیؔ ناکارہ سچ ہے اسی قابل تھا

شوق سے ناکامی کی بدولت کوچۂ دل ہی چھوٹ گیا
ساری امیدیں ٹوٹ گئیں دل بیٹھ گیا جی چھوٹ گیا

فصلِ گل آئی یا اجل آئی کیوں درِ زنداں کھلتا ہے
کیا کوئی وحشی اور آپہنچا یا کوئی قیدی چھوٹ گیا

لیجیے کیا دامن کی خبر اور دستِ جنوں کو کیا کہیے
اپنے ہی ہاتھ سے دل کا دامن مدت گزری چھوٹ گیا

منزلِ عشق پہ تنہا پہنچے کوئی تمنا ساتھ نہ تھی
تھک تھک کر اس راہ میں آخر اک اک ساتھی چھوٹ گیا

فانیؔ ہم تو جیتے جی وہ میت ہیں بے گور و کفن
غربت جس کو راس نہ آئی اور وطن بھی چھوٹ گیا

وہ کہتے ہیں کہ ہے ٹوٹے ہوئے دل پر کرم میرا — مگر منجملۂ آدابِ غم خواری ہے غم میرا
وہاں سجدے سے اب تک قدسیوں کے سر نہیں اٹھتے — پڑا تھا جس جگہ راہِ محبت میں قدم میرا
زہے تقدیر ناکامی کہ تیری مصلحت ٹھہری — تری مرضی سے وابستہ ہوا اللہ رے غم میرا
نہ جانیں اس سفر کی منزلِ اوّل کہاں ہوگی — فنا کی آخری منزل پہ ہے پہلا قدم میرا
میرے جوشِ طلب کی شانِ استغنا کوئی دیکھے — کہ میں رہبر سے آگے مجھ سے آگے ہے قدم میرا
میں وہ آزردۂ دہرِ مسرت ہوں معاذاللہ — کہ غم کو غم سمجھنے سے بھی گھبراتا ہے دم میرا
یہ محرومِ تبسم میر سامان تبسم ہے — تری بزمِ طرب میں معتبر ہے اشکِ غم میرا

اب آگے کس سے لکھا جائے آغاز محبت پر
فسانہ ختم کر دیتے ہیں اربابِ قلم میرا
مری آوارگی ہر قید سے بیزار ہی شاید
کہ اب اس کی گلی میں بھی گزر ہوتا ہی کم میرا
بقا کہتے ہیں جس کو وہ مرا احسان ہی فانیؔ
وہ حادث ہوں کہ دنیائے قدم بھرتی ہی دم میرا

حاصلِ علم بشر جہل کا عرفاں ہونا
عمر بھر عقل سے سیکھا کیے ناداں ہونا
چار زنجیر عناصر پہ ہی زنداں موقوف
وحشت عشق ذرا سلسلہ جنباں ہونا
دل بس اک لرزشِ پیہم ہی سراپا یعنی
ترے آئینہ کو آتا نہیں حیراں ہونا
فال افزونی مشکل ہی ہر آسانی کار
میری مشکل کو مبارک نہیں آساں ہونا
راحت انجام غم اور راحت دنیا معلوم
لکھ دیا دل کے مقدر میں پریشاں ہونا
دے ترا حسن تغافل جسے جو چاہے فریب
ورنہ تو اور جفاؤں پہ پشیماں ہونا
ہائے وہ جلوۂ ایمن وہ نگاہِ سر طور
فتنہ ساماں سے ترا فتنۂ ساماں ہونا
خاکِ فانیؔ کی قسم ہی تجھے اے دشت جنوں
کس سے سیکھا ترے ذرّوں نے بیاباں ہونا

یہ نیاز عاشق ہی اور وہ ہی ناز اُن کا
موت رازِ عاشق ہی زندگی ہی راز اُن کا
لطفِ اضطراب اُٹھے یا مرا نقاب اُٹھے
کیا پیام لائی ہی اے شبِ دراز اُن کا
دل پہ جو نگاہیں تھیں رفتہ رفتہ آہیں تھیں
عشق بن گیا آخر حسنِ جلوہ ساز اُن کا
وہ نگاہ پھر اُٹھ کر آئینے سے ٹکرائی
صرف تازیانہ ہی پھر سمندِ ناز اُن کا
وہ ستم نہیں کرتے یوں کرم نہیں کرتے
لطف خاص بے منت چاہتا ہی ناز اُن کا
رفتۂ نظر ہو جا سب سے بے خبر ہو جا
کھل گیا ہی راز اپنا کھل نہ جائے راز اُن کا
موت کو تو یوں فانیؔ جان دی نہیں جاتی
ڈھونڈلے کوئی حیلہ یہ بہانہ باز اُن کا

وہ جی گیا جو عشق میں جی سے گزر گیا
عیسیٰ کو ہو نوید کہ بیمار مر گیا

آزاد کچھ ہوئے ہیں اسیرانِ زندگی
یعنی جمالِ یار کا صدقہ اُتر گیا

دُنیا میں حال آمد و رفتِ بشر نہ پوچھ
بے اختیار آکے رہا بے خبر گیا

شاید کہ شامِ ہجر کے مارے بھی جی اُٹھے
صبحِ بہارِ حشر کا چہرہ اُتر گیا

آیا کہ دل گیا کوئی پوچھے تو کیا کہوں
یہ جانتا ہوں دل اِدھر آیا اُدھر گیا

میں نے دیا کہ تم نے لیا دل تمھیں کہو
تم دل میں پہلے آئے کہ دل پیشتر گیا

ہاں سچ تو ہے شکایتِ زخمِ جگر غلط
دل سے گزر کے تیر تمھارا کدھر گیا

دل کا علاج کیجیے اب یا نہ کیجیے
اپنا جو کام تھا وہ غمِ یار کر گیا

کیا کیجیے اپنی گرم روی ہائے شوق کو
کچھ دور میرے ساتھ مرا راہبر گیا

فانی کی ذات سے غمِ ہستی کی تھی نمود
شیرازہ آج دفترِ غم کا بکھر گیا

غم کے بھڑکتے شعلوں سے جب جل کے کلیجہ خاک ہوا
داغِ وجودِ حسرت سے تب دل کا دامن پاک ہوا

حال پہ میرے فرش کے ذرّے عرش کے تارے روتے ہیں
آپ کی پلکیں تر کیا ہوتیں کوئی پلک نمناک ہوا

میرے سوا تھے اور جو پردے سارے کے سارے چاک ہوئے
یہ بھی اگر اللہ نے چاہا اب کوئی دم میں چاک ہوا

سایہ بھی جس پہ میرے نشیمن کا پڑ گیا
کیوں آسماں وہ باغ ہی سارا اُجڑ گیا

تو نے سب اپنے کام بگڑ کر بنا لیے
میری وفا وہ کام جو بن کر بگڑ گیا

دل کی مفارقت کو کہاں تک نہ روئیے
اللہ ایک عمر کا ساتھی بچھڑ گیا

صیاد یوں پروں میں گرہ باندھتے ہیں کیا
بے درد بند بند کسی کا جکڑ گیا

ہوتا ہے آج فیصلہ امید و یاس کا
مٹتا ہے اب وہ دل جو بسا اور اُجڑ گیا

بنتی نہیں ہے صبر کو رخصت کیے بغیر
کام ان کی بے قرار نگاہوں سے پڑ گیا

بدلا ہوا ہے آج مرے آنسوؤں کا رنگ / کیا دل کے زخم کا کوئی ٹانکا اُدھڑ گیا
اللہ رے جوشِ بادِ بہاری ترا اثر / پیمانہ لڑکھڑا کے صراحی سے لڑ گیا
وعدے کی رات گردشِ افلاک رُک گئی / جب تم سے بن گئی تو زمانہ بگڑ گیا

اک حشر اور چاہیے اس روسیاہ کو
فانیؔ زمینِ حشر میں غیرت سے گڑ گیا

ہمیں کھوئے گئے تجھ میں نہ جب تیرا پتا پایا / نہ پایا مدعا ہم نے تو گویا مدعا پایا
ازل میں اہلِ دل نے بابِ رحمت سے نہ کیا پایا / دعا پائی دعا کے واسطے دستِ دعا پایا
فریبِ جلوہ اور کتنا مکمل ہے معاذ اللہ / بڑی مشکل سے دل کو بزمِ عالم سے اُٹھا پایا
یہ ہے رودادِ غم اوّل سے آخر تک کہ ظالم کو / ستم ناآشنا دیکھا کرم ناآشنا پایا
مرادِ دردِ نہاں رسوائے اقصائے دو عالم ہے / چھپا کر تو نے جو بخشا وہ میں نے برملا پایا
یہ ہے محشر میں دیدِ یار و وصلِ یار کا حاصل / کوئی دیکھا ہوا دیکھا کوئی پایا ہوا پایا
مرے شکوے سپاسِ غم کی آہیں دل سے اُٹھتے ہیں / فغاں کو میں نے آہنگِ طرب کا ہم نوا پایا
ترے مظلوم کی فریاد کام آہی گئی آخر / دلِ مرحوم نے اک نالۂ آخر رسا پایا

وفا کے نام سے بیزار ہے وہ بے وفا فانیؔ
وفا میں اس نے کیا پندارِ ترکِ مدعا پایا

اے اجل اے جانِ فانیؔ تو نے یہ کیا کر دیا / مار ڈالا مرنے والے کو کہ اچھا کر دیا
جب ترا ذکر آگیا ہم دفعتہً چپ ہو گئے / وہ چھپایا رازِ دل ہم نے کہ افشا کر دیا
کس قدر بیزار تھا دل مجھ سے ضبطِ شوق پر / جب کہا دل کا کیا ظالم نے رسوا کر دیا
یوں چرائیں اس نے آنکھیں سادگی تو دیکھیے / بزم میں گویا مری جانب اشارا کر دیا
دردمندانِ ازل پر عشق کا احساں نہیں / دردیاں دل سے گیا کب تھا کہ پیدا کر دیا
دل کو پہلو سے نکل جانے کی پھر رٹ لگ گئی / پھر کسی نے آنکھوں آنکھوں میں تقاضا کر دیا

بچ رہا تھا ایک آنسو دارو گیر ضبط سے
جوششِ غم نے پھر اس قطرے کو دریا کر دیا

فانیؔ مہجور تھا آج آرزو مندِ اجل
آپ نے آکر پشیمانِ تمنّا کر دیا

ادائے ہر نگہ التفات نے مارا
نویدِ مرگ و وعیدِ حیات نے مارا

یہی نہ ایک حقیقت کہ بے نیاز ہے تو
دلِ غیور کو اتنی سی بات نے مارا

کسی کے جلوۂ طاقت رُبا کو کیا دیکھوں
شکستِ رنگِ رُخِ کائنات نے مارا

جمالِ مطلقِ بے نام کی دُہائی ہے
فریبِ ذات نے لوٹا صفات نے مارا

ہلاکِ تلخیٔ تاخیرِ موت ہوں فانیؔ
ثباتِ زندگیٔ بے ثبات نے مارا

اُن کو شباب کا نہ مجھے دل کا ہوش تھا
اک جوش تھا کہ محوِ تماشائے جوش تھا

برپا تھا دل کی لاش پر اک محشرِ سکوت
تیرے شہیدِ ناز کا ماتم خموش تھا

امیدِ عفو ہے ترے انصاف سے مجھے
شاہد ہے خود گناہ کہ تو پردہ پوش تھا

فردائے حشر خیر سے آنکھوں کا تھا قصور
ہر رُخ مری نگاہ کا تصویرِ دوش تھا

ہر مژدۂ نگاہ غلط جلوہ خود فریب
عالم دلیلِ گمرہیٔ چشم و گوش تھا

وحشت بقیدِ چاک گریباں روا نہیں
دیوانہ تھا جو معتقدِ اہلِ ہوش تھا

پی اور وہ پی ازل میں کہ اُتری نہ حشر تک
یادش بخیر دل بھی عجب بادہ نوش تھا

محرومیاں ذریعۂ الہامِ ذکر تھیں
نالوں پہ انحصارِ پیامِ سروش تھا

فانیؔ تنک بضاعتیٔ غم کا کیا علاج
ہر قطرہ خونِ دل کا تمنا فروش تھا

زیست کا حاصل بنایا دل جو گویا کچھ نہ تھا
غم نے دل کو دل بنایا ورنہ کیا تھا کچھ نہ تھا

وہ تو میرے سامنے تھے دیکھنے کی دیر تھی
میں نے آنکھیں بند کر لیں ورنہ پردا کچھ نہ تھا

یا الم کوشی رہی یا خود فراموشی رہی
دل کسی دن دل نہ تھا یا درد تھا یا کچھ نہ تھا

کچھ سمجھ کر خود ہی ہم نے جان دے دی دل کے ساتھ
ان کی نظروں کا ابھی ایسا تقاضا کچھ نہ تھا

آپ کا دیوانہ تھا یا ادعا باطل سہی
فانیؔ دیوانہ دیوانہ بھی تھا یا کچھ نہ تھا

خون ناحق کا گلہ تھا کچھ ادب کا جوش تھا
لاش کی صورت زباں تھی اور میں خاموش تھا

نور برقِ معرفت بخشا دلِ آگاہ نے
ورنہ پہلے سوزِ غم اک شعلۂ بے ہوش تھا

ہائے کیا دن ہیں کہ نقشِ سجدہ ہے اور سر نہیں
یاد ہیں وہ دن کہ سر تھا اور وبالِ دوش تھا

عشق کی دُنیا زمیں سے آسماں تک شوق تھی
تھا جو کچھ تیرے سوا آغوش ہی آغوش تھا

دل کی ہر کروٹ میں اک دُنیا بنی اک مٹ گئی
ہائے ان دو خون کی بوندوں میں کتنا جوش تھا

سرگزشتِ عمر کہیے اس کو یا رودادِ عشق
دل کے لب جنبش میں تھے اور میں سراپا گوش تھا

کیا یہ فانیؔ کر رہا تھا عالمِ ہستی کی سیر
آگے آگے بیخودی تھی پیچھے پیچھے ہوش تھا

مشغلہ چاہیے کوئی غم و راحت کے سوا
حسرت اب کوئی نہیں صبر کی حسرت کے سوا

جب یہ کہتا ہوں محبت ہی سوا ہوتی ہے
غم کوئی اور عنایت ہو محبت کے سوا

کیا ہوئیں داورِ محشر وہ خطائیں میری
کچھ نہیں فردِ عمل میں تری رحمت کے سوا

خوشی سے رنج کا بدلا یہاں نہیں ملتا
وہ مل گئے تو مجھے آسماں نہیں ملتا

ہزار ڈھونڈھیے اس کا نشاں نہیں ملتا
جبیں ملے تو ملے آستاں نہیں ملتا

مجاز اور حقیقت کچھ اور ہی یعنی
تری نگاہ سے تیرا بیاں نہیں ملتا

بھڑک کے شعلۂ گل تو ہی اب لگا دے آگ
کہ بجلیوں کو مرا آشیاں نہیں ملتا

وہ بدگماں کہ مجھے تابِ رنجِ زیست نہیں
مجھے یہ غم کہ غمِ جاوداں نہیں ملتا

تری تلاش کا فی الجملہ ماحصل یہ ہے | کہ تو یہاں نہیں ملتا وہاں نہیں ملتا
بتا اب اے جرس دور میں کدھر جاؤں | نشان گرد رہِ کارواں نہیں ملتا
مجھے بلا کے یہاں آپ چھپ گیا کوئی | وہ میہماں ہوں جسے میزباں نہیں ملتا
تجھے خبر ہے ترے تیر بے پناہ کی خیر | بہت دنوں سے دل ناتواں نہیں ملتا
کسی نے تجھ کو نہ جانا مگر یہ کم جانا | یہ راز ہے کہ کوئی رازداں نہیں ملتا
مجھے عزیز سہی قدر دل تمھیں کیوں ہو | کمی تو دل کی نہیں دل کہاں نہیں ملتا

دیار عمر میں اب قحط مہر ہے فانیؔ
کوئی اجل کے سوا مہرباں نہیں ملتا

بیگانۂ اختیار ہو جا | راضی برضائے یار ہو جا
جینے کو یہ آسرا بہت ہے | اچھا ہے امیدوار ہو جا
غیرت ہو تو غم کی جستجو کر | ہمت ہو تو بے قرار ہو جا
اے درد یہ چٹکیاں کہاں تک | اٹھ اور جگر کے پار ہو جا

ماتم کدۂ وفا ہے عالم
فانیؔ دلِ سوگوار ہو جا

بجلیاں ٹوٹ پڑیں جب وہ مقابل سے اٹھا | مل کے پلٹی تھیں نگاہیں کہ دھواں دل سے اٹھا
جلوہ محسوس سہی آنکھ کو آزاد تو کر | قیدِ آداب تماشا بھی تو محفل سے اٹھا
پھر تو مضراب جنوں ساز انا لیلےٰ چھیڑ | ہائے وہ شور انا القیس کہ محمل سے اٹھا
اختیار ایک ادا تھی مری مجبوری کی | لطفِ سعی عمل اس مطلبِ حاصل سے اٹھا
عمر امید کے دو دن بھی گراں تھے ظالم | بار فردا نہ ترے وعدۂ باطل سے اٹھا
خبر قافلۂ گم شدہ کس سے پوچھوں | اک بگولہ بھی نہ خاکِ رہِ منزل سے اٹھا
ہوش جب تک ہے گلا گھونٹ کے مرجانے کا | دمِ شمشیر کا احساں ترے بسمل سے اٹھا

موت ہستی پہ وہ تہمت تھی کہ آسان نہ تھی
زندگی مجھ پہ وہ الزام کہ مشکل سے اُٹھا

کس کی کشتی تہ گرداب فنا جا پہنچی
شور لبیک جو فانیؔ لب ساحل سے اُٹھا

دل کی کایا غم نے وہ پلٹی کہ تجھ سا بن گیا
درد میں دل ڈوب کر قطرے سے دریا بن گیا

ان کے آغوش مشیت میں ہی ناکامی مری
کام کچھ اس طرح بگڑا ہی کہ گویا بن گیا

دل کی رات ایسی تو یادِ یار نے بدلی نہ تھی
یہ چمن اجڑا ہی اس ڈھب سے کہ صحرا بن گیا

نقش موہوم حیات افسانہ در افسانہ تھا
جب یہ نقش اُبھرا تو اک حرف تمنا بن گیا

لو مبارک لذت غم بھی ہی اب تو ناگوار
دل محبت میں جو بننا چاہیے تھا بن گیا

جلوۂ کثرت خود اپنا شوق بے اندازہ تھا
محمل لیلےٰ مری نظروں میں لیلا بن گیا

میری محرومی بھی رُسوا ہی کہ فانیؔ حال دل
ان کے کانوں تک نہ پہنچا اور فسانہ بن گیا

نذرِ دردِ دل غمِ دُنیا کیا
اک مٹایا داغ اک پیدا کیا

رونمائے جوشِ حیرت تھی نگاہ
آئینہ مُنہ آپ کا دیکھا کیا

بجلیاں بھر دیں نگاہ یار میں
تو نے آہ آتشیں یہ کیا کیا

وسعت دل تھی بقدر دادِ عشق
قطرہ دریا تھا جسے دریا کیا

نالہ کیا ہاں اک دُھواں سا شامِ ہجر
بستر بیمار سے اٹھا کیا

سخت نازک تھا مزاج دردِ عشق
دل فدائے حسن بے پروا کیا

زیست تھی بے کار فانیؔ دل کے بعد
جان بھی قربان کی اچھا کیا

آشنا رسم جنوں سے نہیں سودا اپنا
عالم ہوش کا ہر ذرہ ہی صحرا اپنا

حسن بے تاب تجلی ہی اور آنکھیں محروم
تھا مگر شوق ہی انکار تقاضا اپنا

کیوں فلک یہ کوئی گردش ہیں ہی گردش کہ ہنوز تجھ سے بدلا نہ گیا رنگِ تمنّا اپنا
جا کے شاید پلٹ آتا تھا کہ منزل کے قریب نظر آتا ہی مجھے نقشِ کفِ پا اپنا
دلِ ناکام تری یاد سے نومید نہیں گل بداماں ہی ابھی خارِ تمنّا اپنا
عجزِ نظارہ ترے حسن کا پردہ ہی تو خیر اسی پردے سے دکھادے رخِ زیبا اپنا

دلِ بے تاب کو پیغامِ سکوں ہی فانی
چشم بد دور غمِ حوصلہ فرسا اپنا

جمالِ خود رُخِ بے پردہ کا نقاب ہؤا نئی ادا سے نئی وضع کا حجاب ہؤا
ملا ازل میں مجھے میری زندگی کے عوض وہ ایک لمحۂ ہستی کہ صرفِ خواب ہؤا
سکونِ قلب میسّر ہی موت ہی سے سہی غرض کہ خاتمۂ رنجِ اضطراب ہؤا
وہ جلوہ مفت نظر تھا نظر کو کیا کہیے کہ پھر بھی ذوقِ تماشا نہ کامیاب ہؤا
الٹ گئی مری امید و بیم کی دنیا یہ کیا نظامِ تمنّا میں انقلاب ہؤا
گناہگار رہی دل مگر قصور معاف ظہورِ شوق بہ اندازۂ حجاب ہؤا

قضا کو مژدۂ فرصت کہ فانیٔ مجبور
شہیدِ کشمکشِ صبر و اضطراب ہؤا

جلوۂ عشق حقیقت تھی حُسنِ مجاز بہانہ تھا شمع جسے ہم سمجھے تھے شمع نہ تھی پروانہ تھا
شعبدے آنکھوں کے ہم نے ایسے کتنے دیکھے ہیں آنکھ کھلی تو دنیا تھی بند ہوئی افسانہ تھا
عہدِ جوانی ختم ہؤا اب مرتے ہیں نہ جیتے ہیں ہم بھی جیتے تھے جب تک مرجانے کا زمانہ تھا
دل اب دل ہی خدا رکھے ساقی کو میخانے کو ورنہ کسے معلوم نہیں ٹوٹا سا پیمانہ تھا

فانی گو کیسا ہی سہی پھر بھی تجھی سے نسبت تھی
دیوانہ تھا، تھا کس کا، تیرا ہی دیوانہ تھا

بوئے خزاں سے مست ہیں یاد ہمیں بہار کیا ہم تو چمن پرست ہیں پھول کہاں کے خار کیا

دل ہی تری نگاہ تک جان ہی ایک آہ تک — حوصلۂ امید کیا ظرف امیدوار کیا
محوِ فروغِ ذات ہوں بے خبرِ صفات ہوں — کوئی ہو شمعِ بزم کیا شمعِ سرِ مزار کیا
ہوش سے احتراز کر فاش نہ غم کا راز کر — دغدغۂ حساب کیوں شکوۂ روزگار کیا
حد سے سوا جفا سہی مجھ پہ ہی غیر پر نہیں — جوششِ سیل گریہ کون ضبط کو ناگوار کیا
جو غمِ بے اثر نہ ہو جو شب بے سحر نہ ہو — وہ غمِ انتظار کب وہ شبِ انتظار کیا
اپنے کمالِ شوق پر حشر کا دل ہی منحصر — وعدۂ دید چاہیے زحمتِ انتظار کیا
کھیل تھا سب امید کا یہ نہ رہی تو کچھ نہ تھا — آرزوؤں کی کیا بساط شوق کا کاروبار کیا

فانیؔ اب اپنی زندگی حسن عتاب یار ہی
دیکھیے مرگ ناگہاں لائے پیام یار کیا

ہیں ندامت جان کر خوش ہوں یہ منظر دیکھنا — وہ مجھے تڑپا کے تیرا پھر نہ مڑ کر دیکھنا
دیدنی ہی رنگ دل میں ڈوب کر کھنچنے کے بعد — تم ابھی کیا دیکھتے ہو تھم کے خنجر دیکھنا
ذکرِ خورشیدِ قیامت سن کے واعظ کیا کہوں — خیر اس تردامنی کو روزِ محشر دیکھنا
ماسوائے دل میں اک ہنگامہ برپا کر گیا — چشمِ کافر کا وہ دل لے کر مکرّر دیکھنا
سانس کے جو آخری جھٹکوں میں ٹکڑے ہو گئیں — ہائے ان ناشاد آہوں کا مقدّر دیکھنا
میرے دل کو چین آجانے کی ضامن موت ہی — تم کسی دن نبضِ دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھنا
مژدہ فصلِ گل کا لائے تو سہی بادِ بہار — ہر کڑی زنجیر کی زنداں سے باہر دیکھنا
جب ذرا پردے سے جھانکا بجلیاں گرنے لگیں — ہی کوئی یہ دیکھنے میں بندہ پرور دیکھنا
تشنہ لب بھی تھا میں ساقی جان سے بیزار بھی — ساغر اور پھر زہر سے لبریز ساغر دیکھنا

صبح تک فانیؔ ہر آوازِ شکستِ دل کے ساتھ
کیا قیامت تھا وہ تیرا جانبِ در دیکھنا

جمالِ بے حجاب تھا کہ جلوہ تھا حجاب کا — کلیمِ برقِ طور تھی کہ تار تھا نقاب کا

بتایئے نہ حالِ دل نہ حال پوچھتا ہوں میں — مآل پوچھتا ہوں میں دلِ وفا خراب کا
تجلیات وہم ہیں مشاہداتِ آب و گل — کرشمۂ حیات ہی خیال وہ بھی خواب کا
دلِ اذیت آفریں رہینِ امتحاں نہیں — خدائے بے نیاز ہی جہانِ اضطراب کا
خطابِ روزِ حشر کی صدائے بازگشت ہوں — جوابِ بے سوال ہوں سوالِ بے جواب کا
جہانِ بے سکون میں سکون ہی سکون تھا — میری نگاہ مضطرب ہی رازِ انقلاب کا

وہ صرف صد یقیں سہی حیات پھر حیات ہی
کہاں سے لاؤں اعتبار مرگ کامیاب کا

کمال ہوش ہی یوں بے نیازِ ہوش ہو جانا — ترے آغوش میں بیگانۂ آغوش ہو جانا
ہمیں تیری محبت میں فقط دو کام آتے ہیں — جو رونے سے کبھی فرصت ہوئی خاموش ہو جانا
وہی برقِ تجلی کار فرما اب بھی ہی لیکن — نگاہوں کو میسر ہی نہیں بے ہوش ہو جانا
شبِ وعدہ خدا نا کردہ وہ آئیں نہ موت آئے — تو پھر اے زندگی تو موت کا آغوش ہو جانا
خدا رکھے شرارِ عشق کو وہ شمع سوزاں ہوں — جلے جانا جسے ممکن ہی یا خاموش ہو جانا
بہار اپنی چمن اپنا قفس کی تیلیوں تک ہی — مبارک نکہتِ گل کو چمن بردوش ہو جانا
خدا دشمن کو بھی یہ خوابِ محرومی نہ دکھلائے — ادھر ایمائے پرسش اور اُدھر خاموش ہو جانا
قیامت ہی یہ ٹکڑا داستانِ عشق کا یعنی — مرے راحت طلب دل کا اذیت کوش ہو جانا

مرقع ہی کسی کی ہستیٔ موہوم کا فانیؔ
وہ ان کا دیکھتے ہی دیکھتے روپوش ہو جانا

جلوہ گاہِ نازِ جاناں جب مرا دل ہو گیا — سامنا فانیؔ مجھے دل کا بھی مشکل ہو گیا
مژدۂ تسکیں سے بے تابی کے قابل ہو گیا — دل پہ جب تیری نگاہیں جم گئیں دل ہو گیا
کر کے دل کا خون کیا بے تابیاں کم ہو گئیں — جو لہو آنکھوں سے دامن پر گرا دل ہو گیا
سُن کے تیرا نام آنکھیں کھول دیتا تھا کوئی — آج تیرا نام لے کر کوئی غافل ہو گیا

طور نے جل کر ہزاروں طور پیدا کر دیے
ذرّہ ذرّہ میرے دل کی خاک کا دل ہو گیا
موت آنے تک نہ آئے اب جو آئے ہو تو ہائے
زندگی مشکل ہی تھی مرنا بھی مشکل ہو گیا
دردِ فرقت کی خلش وابستۂ انفاس تھی
مدعائے زندگانی مر کے حاصل ہو گیا

دل سراپا درد تھا وہ ابتدائے عشق تھی
انتہا یہ ہے کہ فانی درد اب دل ہو گیا

یاں ہوش سے بیزار ہوا بھی نہیں جاتا
اس بزم میں ہشیار ہوا بھی نہیں جاتا
کہتے ہو کہ ہم وعدۂ پرسش نہیں کرتے
یہ سُن کے تو بیمار ہوا بھی نہیں جاتا
دشوارئ انکار سے طالب نہیں ڈرتے
یوں سہل تو اقرار ہوا بھی نہیں جاتا
آتے ہیں عیادت کو تو کرتے ہیں نصیحت
احباب سے غم خوار ہوا بھی نہیں جاتا
جاتے ہوئے کھاتے ہو مری جان کی قسمیں
اب جان سے بیزار ہوا بھی نہیں جاتا
غم کیا ہے اگر منزلِ جاناں ہے بہت دور
کیا خاکِ رہِ یار ہوا بھی نہیں جاتا
دیکھا نہ گیا اس سے تڑپتے ہوئے دل کو
ظالم سے جفا کار ہوا بھی نہیں جاتا
یہ طرفہ ستم ہے کہ ستم بھی ہے کرم بھی
اب خوگرِ آزار ہوا بھی نہیں جاتا

سرِ ہوش برق گرتی وہ ہجومِ ناز ہوتا
وہ نظر فریب جلوہ جو نظر نواز ہوتا
خبر اپنی مغفرت کی تو نہیں یہ جانتا ہوں
مری توبہ چاہتی ہے درِ توبہ باز ہوتا
مرے شوق نے سکھایا اسے شیوۂ تغافل
نہ مجھے نیاز ہوتا نہ وہ بے نیاز ہوتا

وحشتِ عشق نے جب ہوش میں لانا چاہا
عقلِ کج فہم نے دیوانہ بنانا چاہا
ہم کو مرنا بھی میسر نہیں جینے کے بغیر
موت نے عمرِ دو روزہ کا بہانا چاہا
پھر کچھ اے بے خبری تجھ میں کمی ہوتی ہے
درد نے کیا مجھے پھر ہوش میں لانا چاہا

تری ترچھی نظر کا تیر ہی مشکل سے نکلے گا
دل اس کے ساتھ نکلے گا اگر یہ دل سے نکلے گا

شبِ غم میں بھی میری سخت جانی کو نہ موت آئی
ترا کام ای اجل اب خنجرِ قاتل سے نکلے گا

نگاہِ شوق میرا مدّعا توان کو سمجھا دے
مرے منہ سے تو حرفِ آرزو مشکل سے نکلے گا

کہاں تک کچھ نہ کہیے اب تو نوبت جان تک پہنچی
تکلّف برطرف ای ضبط نالہ دل سے نکلے گا

تصوّر کیا ترا آیا قیامت آگئی دل میں
کہ اب ہر ولولہ باہر مزارِ دل سے نکلے گا

نہ آئیں گے وہ تب بھی دم نکل ہی جائے گا فانی
مگر مشکل سے نکلے گا بڑی مشکل سے نکلے گا

جگر خراش ہی حال ان تباہ حالوں کا
جنھیں مٹا کے رہا حوصلہ خیالوں کا

کیا سوال تو آوازِ بازگشت آئی
جواب مجھ سے طلب ہی مرے سوالوں کا

جنونِ شکوۂ بیداد پر خدا کی مار
اثر کے ساتھ گیا اعتبار نالوں کا

تعیّنات کی حد سے گزر رہی ہی نگاہ
بس اب خدا ہی خدا ہی نگاہ والوں کا

کسی کی غم کی کہانی ہی زندگی فانی
زمانہ ایک فسانہ ہی مرنے والوں کا

حجاب اگر من و تو کا نہ درمیاں ہوتا
پیامِ حسن محبت کی داستاں ہوتا

تری تلاش کا افسانہ گر بیاں ہوتا
رہِ مجاز کا ہر ذرّہ اک زباں ہوتا

مرا وجود ہی میری نگاہ خود نشناس
وہ راز ہوں کہ نہ ہوتا جو رازداں ہوتا

کمالِ ضبطِ غمِ عشق ای معاذ اللہ
کہیں کہیں سے جو یہ ماجرا بیاں ہوتا

بنائے جلوہ گہِ ناز ہی جبینِ نیاز
جو دردِ عشق نہ ہوتا تو دل کہاں ہوتا

تمام قوتِ غم صرفِ دل ہوئی ورنہ
زمیں زمیں ہی نہ ہوتی نہ آسماں ہوتا

سکونِ خاطرِ بلبل ہی اضطرابِ بہار
نہ موجِ بوئے گل اٹھتی نہ آشیاں ہوتا

تری جفا کے سوا بھی ہزار تھے انداز
کوئی تو اہلِ وفا کا مزاج داں ہوتا

مٹا دیا غمِ فرقت نے ورنہ میں فانیؔ
ہنوز ماتمئ مرگِ ناگہاں ہوتا

محتاج اجل کیوں ہو خود اپنی قضا ہو جا — غیرت ہو تو مرنے سے پہلے ہی فنا ہو جا
اے شوقِ طلب بڑھ کر مجنون ادا ہو جا — اے ہمتِ مردانہ راضی بہ رضا ہو جا
آغوشِ فنا میں ہم پروردۂ آفت ہیں — اے فتنۂ دوراں اُٹھ اے حشر بپا ہو جا
ضد اور یہ ضد اے دل اچھا تو خدا حافظ — قربان ہی اُس بت پر ہوتا ہے تو جا ہو جا
اس جانِ تمنّا سے بے پردہ نہ شکوہ کر — وہ تجھ سے خفا ہے تو جینے سے خفا ہو جا
ہر قافلۂ دل کو تو مژدۂ منزل دے — ہر رہ گزرِ غم میں نقشِ کفِ پا ہو جا
یہ دردِ محبت بھی کیا شے ہے معاذ اللہ — میں دردِ محبت سے کہتا ہوں سوا ہو جا
ظالم کا نہ شکوہ کر ظلموں کی نہ پروا کر — تو اپنی وفاؤں کی عزّت پہ فدا ہو جا

اس ہستئ فانی سے کر قطعِ نظر فانیؔ
تو دوست کا طالب ہے دُشمن سے جُدا ہو جا

ناکام ہے تو کیا ہے کچھ کام پھر بھی کر جا — مردانہ وار جی اور مردانہ وار مر جا
دُنیا کے رنج و راحت کچھ ہوں تری بلا سے — دُنیا کی ہر ادا سے منہ پھیر کر گزر جا
اس بحرِ بے کراں میں ساحل کی جستجو کیا — کشتی کی آرزو کیا ڈوب اور پار کر جا
یہ دعوائے خبر ہی عصیاں بھی ہے سزا بھی — بے ہوش و بے خبر رہ بے خوف و بے خطر جا
کثرت میں دیکھتا جا تکرارِ حسنِ وحدت — مجبورِ یک نظر آ مختارِ صد نظر جا
یہ میکدہ ہے پاسِ آدابِ میکدہ کر — اوّل خراب آ اور آخر خراب تر جا

گھبرا گیا خرد کی تاریکیوں سے فانیؔ
اے نورِ عشق دل کی گہرائیوں میں بھر جا

دم حریفِ زوالِ غم نہ ہُوا — مرتے مرتے یہ درد کم نہ ہُوا

جُھک گیا تیرے آستاں پہ جو سر　　　پھر کسی آستاں پہ خم نہ ہؤا
اس کو میرا نصیب کہتے ہیں　　　جو تری زلف خم بہ خم نہ ہؤا
نگہِ قہر خاص ہی مجھ پر　　　یہ تو احساں ہؤا ستم نہ ہؤا
رہ گئی حسرتِ وفا باقی　　　دل کو اندازۂ ستم نہ ہؤا
اب کرم ہی تو یہ گلہ ہی مجھے　　　کہ مجھی پر ترا کرم نہ ہؤا
عشق میں زندگی کا ساری عمر　　　کوئی ساماں ہی بہم نہ ہؤا
بُت نے ہر رنگ میں خدائی کی　　　دل مگر دیر سے حرم نہ ہؤا

دم بھی فانی کسی کے غم تک ہی
دم نہ ہوگا اگر یہ غم نہ ہؤا

جیب و داماں کی حقیقت کا جو عرفاں ہوگیا　　　جا پڑیں جس تار پر نظریں رگِ جاں ہوگیا
ماسوا کی راہ سے جانا پڑا ہی سوئے دوست　　　کفر بھی دل کی بدولت جزوِ ایماں ہوگیا
دشنۂ غم کو مبارک نذرِ خونِ آرزو　　　زیست کو مژدہ کہ مرجانے کا ساماں ہوگیا
ان کے دیکھے تک ہی دل کے آئینہ کی بھی نمود　　　دیکھ لینا پھر کہ دل تصویرِ جاناں ہوگیا
اس دلِ مایوس کی ویرانہ سازی کچھ نہ پوچھ　　　اس نے جب اور جو چمن تاکا بیاباں ہوگیا
اس کے دامن سے اُلجھتا ہی ادب ای دستِ شوق　　　یہ بھی دیوانے کوئی میرا گریباں ہوگیا
جو بہ فتوائے خرد مجنوں نہ ہو کامل نہیں　　　حیف وہ آزاد جو محرومِ زنداں ہوگیا
ادّعائے ضبطِ غم بالکل بجا یکسر درُست　　　اور جو دل کا حال چہرے سے نمایاں ہوگیا

یاد ہی فانی تجھے کوئی کہانی اور بھی
ختم کر افسانۂ غم دل پریشاں ہوگیا

گل میں وہ اب نہیں ہی جو عالم تھا خار کا　　　اللہ کیا ہؤا وہ زمانہ بہار کا
ہر ذرہ جلوہ گاہ ہی ہر دل ہی چشمِ شوق　　　اللہ رے اہتمام تماشائے یار کا

پاتا ہوں آج بھی خلش نوک خار میں — بھولا نہیں ہوں لطف نسیم بہار کا
تنکوں سے کھیلتے ہی رہے آشیاں میں ہم — آیا بھی اور گیا بھی زمانہ بہار کا
آئی ہی اے نسیم تو اس وقت تک ٹھہر — جب تک بجھے چراغ ہمارے مزار کا
میں نزع میں ہوں عہد وفا کا محل نہیں — وعدہ نہ کر کہ وقت نہیں اعتبار کا
جو تیری یاد میں نہ بسر ہو وہ ہر نفس — اک واہمہ ہی زندگیٔ مستعار کا
یہ درد لاعلاج محبت دوا بھی ہی — تھا ورنہ کچھ علاج غم روزگار کا

فانیؔ یقین وعدۂ فردا کو کیا کہوں
اب زندگی ہی نام فقط انتظار کا

یوں نظم جہاں درہم و برہم نہ ہؤا تھا — ایسا بھی ترے حسن کا عالم نہ ہؤا تھا
پھر چھیڑ دیا وسعت محشر کی فضا نے — سودا ترے وحشی کا ابھی کم نہ ہؤا تھا
یا عشرت دوروزہ تھا یا حسرت دیروز — وہ لمحۂ ہستی جو ابھی غم نہ ہؤا تھا
صد حیف وہ گل ہو کف گلچیں میں جواب تک — آزردۂ آویزش شبنم نہ ہؤا تھا
قاتل ہی مرا کیوں اسے کہتا ہی زمانہ — مانا وہ شریک صف ماتم نہ ہؤا تھا
راز آج مرے دم سے ہؤا راز محبت — کچھ راز نہ تھا جب کوئی محرم نہ ہؤا تھا
پاتے ہی خجل رحم کا دریا اُمڈ آیا — پردہ مری آنکھوں کا ابھی نم نہ ہؤا تھا
رسوا نہ کر اس سوز کو ای شمع لب گور — جو واقف دلسوزیٔ ہمدم نہ ہؤا تھا
گھر جبر سے تقدیر نے ویرانہ بنایا — سامان جنوں مجھ سے فراہم نہ ہؤا تھا
اک کفر سراپا نے کیا حشر کا قائل — میں معتقد حشر مجسّم نہ ہؤا تھا

ہر دل میں نئی شان تجلی ہی کہ فانیؔ
نشتر ہی وہ انداز جو مرہم نہ ہؤا تھا

ستم گردش ایّام اُٹھا — ہر سحر اٹھ کے غم شام اُٹھا

تم جسے در سے اٹھا دیتے تھے — آج دنیا سے وہ ناکام اٹھا
عشق کا ایک قصور اور سہی — موت کے سر سے تو الزام اٹھا
ابر اٹھا سمت حرم سے زاہد — تو بھی سجادہ الٹ جام اٹھا
ہل گئی پھر مرے دل کی دنیا — درد پھرے کے ترا نام اٹھا

دنیائے حسن و عشق میں کس کا ظہور تھا — ہر آنکھ برق پاش تھی ہر ذرہ طور تھا
میری نظر کی آڑ میں ان کا ظہور تھا — اللہ ان کے نور کا پردہ بھی نور تھا
تھی ہر تڑپ سکون کی دنیا لیے ہوئے — پہلو میں آپ تھے کہ دل ناصبور تھا
ہم کشتگانِ غم پہ یہ الزامِ زندگی — بے مہر کچھ تو پاسِ حقیقت ضرور تھا
بالیں پہ تم جب آئے تو آئی وہ موت بھی — جس موت کے لیے مجھے جینا ضرور تھا
تھی ان کے روبرو بھی وہی شانِ اضطراب — دل کو بھی اپنی وضع پہ کتنا غرور تھا
لطفِ حیات بے خلش مدعا کہاں — یعنی بقدرِ تلخیٔ صہبا سرور تھا

اٹھ کر چلے تو حشر بھی اٹھنا تھا کیا ضرور
ان کی گلی سے مدفنِ **فانی** تو دور تھا

دم کیا تنِ بسمل سے آسان نکل آیا — ارمان بھرے دل سے ارمان نکل آیا
وحشت کی بدولت ہم جس گھر سے نکل آئے — اس گھر سے تباہی کا سامان نکل آیا
تم شامِ شبِ فرقت بے ساختہ آ نکلے — یا کفر کے پردے سے ایمان نکل آیا
ہم عرصۂ ہستی سے گزرے بھی تو کیا گزرے — اک اور قیامت کا میدان نکل آیا

آنکھوں کی خطا **فانی** محشر میں عطا ٹھہری
طوفان اٹھایا تھا احسان نکل آیا

سنگِ در دیکھ کے سر یاد آیا — کوئی دیوانہ مگر یاد آیا

پھر وہ انداز نظر یاد آیا ۔۔۔ چاک دل تا بہ جگر یاد آیا
ذوق ارباب نظر یاد آیا ۔۔۔ سجدہ بے منتِ سر یاد آیا
ہر تبسم پہ یہ کھاتا ہوں فریب ۔۔۔ کہ انھیں دیدۂ تر یاد آیا
پھر ترا نقش قدم ہی درکار ۔۔۔ سجدۂ راہ گزر یاد آیا
جمع کرتا ہوں غبارِ رہِ دوست ۔۔۔ سر شوریدہ مگر یاد آیا
ہائے وہ معرکۂ ناوک ناز ۔۔۔ دل بچایا تو جگر یاد آیا
آئینہ اب نہیں دیکھا جاتا ۔۔۔ ہیں بعنوان دگر یاد آیا
درد کو پھر ہی مرے دل کی تلاش ۔۔۔ خانہ برباد کو گھر یاد آیا

اس کو بھولے تو ہوئے ہو فانیؔ
کیا کرو گے وہ اگر یاد آیا

اللہ رے فسوں گر تری آنکھوں کا اشارا ۔۔۔ پھر دل نے لیا دردِ محبت کا سہارا
موجوں سے بھی گزرے تہِ دریا کو بھی دیکھا ۔۔۔ ملتا ہی کہیں بحرِ محبت کا کنارا

احساسِ محبت ہی مری موت ہی فانیؔ
اس زندگیٔ دل نے مجھے جان سے مارا

کیا چھپاتے کسی سے حال اپنا ۔۔۔ جی ہی جب ہو گیا نڈھال اپنا
ہم ہیں اس کے خیال کی تصویر ۔۔۔ جس کی تصویر ہی خیال اپنا
وہ بھی اب غم کو غم سمجھتے ہیں ۔۔۔ دور پہنچا مگر ملال اپنا
تو نے رکھ لی گناہ گار کی شرم ۔۔۔ کام آیا نہ انفعال اپنا
دیکھ دل کی زمیں لرزتی ہی ۔۔۔ یاد جاناں قدم سنبھال اپنا
باخبر ہیں وہ سب کی حالت سے ۔۔۔ لاؤ ہم پوچھ لیں نہ حال اپنا
موت بھی تو نہ مل سکی فانیؔ ۔۔۔ کس سے پورا ہوا سوال اپنا

ردیف (ب)

پھر دلِ بے تاب ہے آرام جانِ اضطراب
پھر تمنا ہے کسی کی میہمانِ اضطراب

ہم ہوئے جاتے ہیں قائل آہ کی تاثیر کے
اس نے کیا کہہ کر بڑھا دی آج شانِ اضطراب

کب سے آغوشِ لحد میں ہم ہیں سرتاپا قرار
وہ ستم پرور رہا اب تک بدگمانِ اضطراب

مجھ کو مضطر دیکھ کر اُن کو حجاب آنے لگا
ہو چلی ہیں وہ نگاہیں رازدانِ اضطراب

اشک اک اک کر کے سب آوارۂ دامن ہوئے
رفتہ رفتہ مٹ گیا نام و نشانِ اضطراب

وقتِ عرضِ حالِ دل اس فکر نے مارا مجھے
کیجیے آغاز کیوں کر داستانِ اضطراب

اضطرابِ دل کے شکووں نے کیا اُلٹا اثر
بے نیازِ نطق ہے گویا زبانِ اضطراب

رازِ ضبطِ غم الٰہی کس نے افشا کر دیا
ہے انھیں میری خموشی پر گمانِ اضطراب

سینۂ **فانی** ہے یا جولاں گہِ برقِ فنا
دل ہے یا رب یا بلائے آسمانِ اضطراب

عشق ہے پرتوِ حسنِ محبوب
آپ اپنی ہی تمنا کیا خوب

طلبِ محض ہے سارا عالم
کوئی طالب ہے نہ کوئی مطلوب

قلب، ادراک، دماغ اور حواس
مجھ سے منسوب ہیں تجھ سے مغلوب

ردیف (ت)

پھر فریبِ سادگی ہے رہنمائے کوئے دوست
مٹنے والی آرزوئیں لے چلیں پھر سوئے دوست

مانگتا ہوں آپ خنجر سے سوا خنجر کی خیر
کچھ گراں جانی مری کچھ قوتِ بازوئے دوست

اب مجھی کو طولِ شامِ ہجر کا شکوہ بھی ہے
خود ہی چھیڑی تھی حدیثِ طرۂ گیسوئے دوست

آسماں کا شکر واجب ہی گلہ جائز نہیں
آسماں سے ملتی جلتی ہی جہاں تک خوئے دوست

رنگ و بوئے دہر کا مفہوم یوں کچھ بھی نہیں
میرے مسلک میں ہی فانیؔ رنگ دل یا بوئے دوست

ردیف (د)

فغاں کے پردے میں سن میری داستاں صیاد
کہ پھر رہے نہ رہے طاقتِ بیاں صیاد

ترا اشارہ ترا ساز برق سے نہ سہی
تجھے خبر ہی کہ جلتا ہی آشیاں صیاد

نہ آ قریب کہ پروردۂ فنا ہوں میں
بنا ہی برق کے تنکوں سے آشیاں صیاد

بس ایک آہ جہاں سوز کے اثر تک ہیں
یہ خار، برق، قفس، دام، آسماں صیاد

نکل ہی جائیں گے نالے دہن سے خوں ہو کر
زباں نہیں تو کھلے گی رگِ زباں صیاد

ستم رسیدۂ آوازۂ بیاں ہوں میں
قفس میں کھینچ کے لائی مری زباں صیاد

چمن میں دل ہی تو میری نگاہ میں ہی چمن
چمن سے تو مجھے لے جائے گا کہاں صیاد

یہ جذبِ شوقِ اسیری ہی ورنہ ای فانیؔ
کہاں میں سوختہ دل مشت پر کہاں صیّاد

کیا کہیے کہ بیداد ہی تیری بیداد
طوفان محبت کی ہی زد میں فریاد

دل محشر بے خودی ہی اللہ اللہ
یاد اور کسی بھول جانے والے کی یاد

پابندیٔ رسم برطرف کیوں ای موت
ان کے بھی کیے ہیں تو نے قیدی آزاد

اللہ یہ بجلیاں نہ کام آئیں گی
آندھی ہی سے کیوں ہو آشیانہ برباد

دنیا جسے کہتا ہی زمانہ فانیؔ
ہی ایک طلسم اجتماع اضداد

آخر کوئی امید اثر بھی دعا کے بعد — کچھ آپ بھی کہیں گے مری التجا کے بعد

کیا جانے کیا بلا ہی وہ انداز التفات — دنیا بدل گئی نگہِ آشنا کے بعد

فکر وفائے عہد تمھاری بلا کرے — جینا ہی کون وعدۂ صبر آزما کے بعد

لنگر کا آسرا ہی نہ تائیدِ ناخدا — میرے سپرد ہی مری کشتی خدا کے بعد

اللہ رے اعتماد نوازش کہ ہی مجھے — امید لطف ہر ستم ناروا کے بعد

شکوہ ہی اپنے کشتۂ بیداد سے انھیں — دیکھا نہ انتظارِ تلافی جفا کے بعد

فانی اسی خلش سے عبارت ہی یادِ دوست
جو انتہا کی زد میں نہ ہو ابتدا کے بعد

ردیف (ر)

حیراں ہوں رنگ عالمِ تصویر دیکھ کر — کیا یاد آگیا مجھے زنجیر دیکھ کر

قسمت کے حرف سجدۂ در سے مٹا تو دوں — دل کانپتا ہی شوخیٔ تدبیر دیکھ کر

ہی ہی وہ اہل ذوق کی زنداں نوازیاں — سر پیٹتا ہوں خانۂ زنجیر دیکھ کر

وہ بے وفا جفا سے بھی اب آشنا نہیں — کیا منفعل ہوں آہ کی تاثیر دیکھ کر

فانی وداعِ ہوش ہی کرنا پڑا مجھے
تن سے وداعِ روح میں تاخیر دیکھ کر

خدا کی رحمتیں نازل ہوں عشق فتنہ ساماں پر — یہ دردِ بے دوا احسان ہی تقدیر درماں پر

ستم ہائے نمایاں سے نوازش ہائے پنہاں تک — شباب آتے ہی ہر آفت گزرجاتی ہی انساں پر

غمِ امید کے صدقے وہ اضمحلال رنگیں ہوں — بہار آنے سے کچھ پہلے جو چھا جائے گلستاں پر

ٹھہرا ای نشترِ حرماں ٹھہر یہ ماجرا کیا ہی — مجھے کچھ جان کا دھوکا سا ہوتا ہی رگِ جاں پر

یہ محشر ہی یہاں جو چاک ہی رحمت بداماں ہی
وہ دنیا تھی جو ہنستی ہی رہی ہر چاک داماں پر

متاعِ یک جہانِ آرزو جو چند گھڑیاں تھیں
سو وہ ایک ایک گھڑی بھاری ہی اب بیمارِ ہجراں پر

مری دیوانگی کی شرح میرا ہوش ہی فانی
گریباں ہی مگر وحشت برستی ہی بیاباں پر

عشق عشق ہو شاید حسن میں فنا ہو کر
انتہا ہوئی غم کی دل کی ابتدا ہو کر

دل ہمیں ہوا حاصل درد میں فنا ہو کر
عشق کا ہوا آغاز غم کی انتہا ہو کر

نامراد رہنے تک نامراد جیتے ہیں
سانس بن گیا اک ایک نالہ نارسا ہو کر

اب ہوئی زمانہ میں شیوۂ وفا کی قدر
عالم آشنا ہی وہ دشمنِ وفا ہو کر

اور بندے ہیں جن کو دعوائے خدائی ہی
تھی ہماری قسمت میں بندگی خدا ہو کر

بندۂ خدائی ہی مدعی خدائی کا
بندہ نے خدائی کی بندۂ خدا ہو کر

عمر خضر کے انداز ہر نفس میں پاتا ہوں
زندگی نئی پائی آپ سے جدا ہو کر

بڑھتا ہی نہ گھٹتا ہی مرتے ہیں نہ جیتے ہیں
درد پر خدا کی مار دل میں رہ گیا ہو کر

کارگاہ حسرت کا حشر کیا ہوا یارب
داغِ دل پہ کیا گزری نقش مدعا ہو کر

عشق سے ہوئے آگاہ صبر کی بھی حد دیکھی
خاک میں ملا دوگے دیر آشنا ہو کر

کی قضائے مبرم نے زندگی کی غمخواری
درد کی دوا پہنچی درد بے دوا ہو کر

زندگی سے ہو بیزار فانی اس سے کیا حاصل
موت کو منا لو گے جان سے خفا ہو کر

کر نہ فریاد خموشی میں اثر پیدا کر
درد بن کر دل بے درد میں گھر پیدا کر

میں دعا موت کی مانگوں تو اثر پیدا کر
ورنہ یارب شب فرقت کی سحر پیدا کر

تہ میں جا سطح سے تو قطع نظر کر کے دیکھ
قطرے قطرے میں سمندر ہی نظر پیدا کر

جتنے غم چاہے دیے جا مجھے یارب لیکن
ہر نئے غم کے لیے تازہ جگر پیدا کر

یا اسے گر کسی بجلی کے حوالے یارب
یا مرے نخل تمنا میں ثمر پیدا کر

دل مایوس کو ای عہد کرم شاد نہ کر
ناز پروردۂ غم ہی اسے برباد نہ کر
ای تقاضائے خرد مجھ پہ یہ بیداد نہ کر
میں ہوں دنیائے محبت مجھے برباد نہ کر
روح ارباب محبّت کی لرز جاتی ہی
تو پشیمان نہ ہو اپنی جفا یاد نہ کر
غم ہستی ہی سہی تیرے سوا کوئی ہو
دل کی بستی ہی تری غیر سے آباد نہ کر
خامشی عین فغاں ہونے نہ پائے ای دل
اور جو فریاد ہی کرنا ہی تو فریاد نہ کر
صبر شایان محبّت تو نہیں ہی لیکن
شکر اگر بن نہ پڑے شکوۂ بیداد نہ کر
دل کی حد سے اثر زیست نہ گزرے فانی
ہوش لازم ہی مگر ہوش کو آزاد نہ کر

گزرے گی اب نہ غم کا مداوا کیے بغیر
بنتی نہیں اجل سے تقاضا کیے بغیر
دل کامیاب شوق ہی بے منتِ نگاہ
جلوے ہیں دل فریب تماشا کیے بغیر
اللہ رے اعتمادِ محبّت کہ آج تک
ہر درد کی دوا ہیں وہ اچھا کیے بغیر
وہ جان ہی نہیں جو نہ ہو جائے نذرِ دوست
دل ہی نہیں ہی اس کی تمنّا کیے بغیر
ممکن نہیں ہی راحتِ دنیا کی آرزو
غم پر گمانِ راحت دنیا کیے بغیر
اس ضبط و احتیاط پہ رسوا ہی رازِ عشق
پردے میں حسن دوست ہی پردا کیے بغیر
لازم سی ہی حیات کہ فانی مفر نہیں
جینے کی تلخیوں کو گوارا کیے بغیر

ہر تبسم کو چمن میں گریہ ساماں دیکھ کر
جی لرز جاتا ہی ان غنچوں کو خنداں دیکھ کر
آخر آخر ہوش ہی وحشت بھی تھا حیرت بھی تھا
دل کو عالم آفریں صحرا بداماں دیکھ کر
شیوہ اپنا غم پرستی قبلہ اپنا خاک دل
روح غم کو پیکر خاکی میں انساں دیکھ کر
ہر تسلی سے سوا ہوتی گئی دل کی تڑپ
درد کچھ سے کچھ ہؤا سامانِ درماں دیکھ کر
اس کو انعام خودی اور اس پہ لطف بیخودی
وہ کرم کرتے ہیں ظرفِ اہلِ عرفاں دیکھ کر

معنیٔ صورت میں ہم نے تیری صورت دیکھ لی
تیری قدرت دیکھ لی انساں کو انساں دیکھ کر

قبر فانیؔ پر ہیں وہ برچیدہ دامن اے نسیم
منتشر کر خاک لیکن ان کا داماں دیکھ کر

جی ڈھونڈھتا ہے گھر کوئی دونوں جہاں سے دور
اس آپ کی زمیں سے الگ آسماں سے دور

شاید ہیں در خور نگہ گرم بھی نہیں
بجلی تڑپ رہی ہے مری آشیاں سے دور

وہ پوچھتے ہیں اور کوئی دیتا نہیں جواب
کس کی وفا ہے دسترس امتحاں سے دور

آنکھیں چرا کے آپ نے افسانہ کر دیا
جو حال تھا زباں سے قریب اور بیاں سے دور

ہے منع راہ عشق میں دیر و حرم کا ہوش
یعنی کہاں سے پاس ہے منزل کہاں سے دور

تا عرض شوق میں نہ رہے بندگی کی لاگ
اک سجدہ چاہتا ہوں ترے آستاں سے دور

فانیؔ دکن میں آکے یہ عقدہ کھلا کہ ہم
ہندوستاں میں رہتے ہیں ہندوستاں سے دور

نہ چاہا حسن کی فطرت نے کوئی داغ دامن پر
رہا محشر میں اپنا خون ناحق اپنی گردن پر

قیامت کی کشش رکھتے ہیں دانے میرے خرمن کے
کہیں کی بجلیاں ہوں آکے چھا جاتی ہیں خرمن پر

محبت میں ہمیں جی کھول کر رونا نہیں آتا
جو چار آنسو ہیں آنکھوں میں تو دو آنسو ہیں دامن پر

بنایا تھا نشیمن شاخ گل پر کس گھڑی یارب
بچھی جاتی ہے ہر برق بلا شاخ نشیمن پر

مجھے کھینچے لیے جاتا ہے کیا جانے کہاں کوئی
نہ کچھ احسان رہبر ہے نہ کچھ الزام رہزن پر

نگاہیں ڈھونڈھتی ہیں دوستوں کو اور نہیں پاتیں
نظر اٹھتی ہے اب جس دوست پر پڑتی ہے دشمن پر

ہنسی آتی ہے تیری سادگیٔ شوق پر فانیؔ
وہ میت ہی پہ کب آئے جو اب آئیں گے مدفن پر

ردیف (ز)

کون اٹھائے مری وفا کے ناز
دل ستم دوست وہ رقیب نواز

اب نئے سر سے چھیڑ پردۂ ساز
میں ہی تھا ایک دُکھ بھری آواز

کھل گیا میری زندگی کا راز
ای شب ہجر تیری عمر دراز

صوٗر و منصوٗر وطوٗر ارے توبہ
ایک ہی تیری بات کا انداز

دیکھیے کیا ہو عشق کا انجام
دل کی ہستی ہی موت کا آغاز

رہ گئی تھی جو بازوؤں میں سکت
ہوگئی صرفِ ہمتِ پرواز

آج روز وصالِ فانی ہی
موت سے ہو رہے ہیں ناز و نیاز

دور لے جا ہٹا کے سرحدِ ناز
دل ہی آوارہ حدودِ نیاز

ہوں مگر کیا یہ کچھ نہیں معلوم
میری ہستی ہی غیب کی آواز

ہوں اسیرِ فریبِ آزادی
پر ہیں اور مشق حیلۂ پرواز

آج اچھے نہیں الٰہی خیر
درد کے تیور آہ کے انداز

کیوں فلک انتہا ہوئی کہ نہیں
ایک دم رہ گیا ہی اب دمساز

ہی کوئی شی تو یار و جلوۂ یار
یہ حقیقت ہی اور یہ اصل مجاز

ہاں یہاں کوئی شی نہیں باطل
عشق ہی راز عقل پردۂ راز

اپنی صبر آزما نظر کو سنبھال
ہم ہیں مجبورِ آہِ صبر گداز

جان فانی ترے کرم پہ نثار
تو نے بخشی حیاتِ مرگ نواز

اللہ اللہ یہ شان کشتۂ ناز
ہی مری خاک سجدہ گاہ نماز

ہاں شب ہجر آج صبح نہ ہو　　ہاں چلی جائے یاد زلف دراز
دھیان تیرا بہشت شوق سہی　　دل عاشق ہی ایک دوزخ راز
چشم حاسد مجھے نہ دیکھ سہی　　ہوں دلیل بلندیٔ پرواز
آج پہلو میں کیوں ہی سنّاٹا　　کیا ہوئی آہ آہ کی آواز
راس آئے ہیں اشک وآہ کسے　　کر نہ آب و ہوائے غم سے ساز
آپ ہی اپنی آڑ میں تو ہی　　تو حقیقت ہی اور تو ہی مجاز
ہم ہیں اور عزم آشیاں یعنی　　رہ گئی دُور طاقت پرواز

ہی کہ فانی نہیں ہی کیا کہیے
راز ہی بے نیاز محرم راز

ردیف (ش)

دل چُرا کر نگاہ ہی خاموش　　ہوش اور مست ہو کے اتنا ہوش
مست کو چاہیے بلا کا ہوش　　خم دیے اور دیا نہ اذن خروش
ہر مسافر سے پوچھ لیتا ہوں　　خانہ برباد ہوں کہ خانہ بدوش
ہوس جلوہ اور نظر غافل　　کہ نظر ہی صلائے جلوہ فروش
شاید اب منزل عدم ہی قریب　　یاد خاک وطن ہی طوفاں جوش
فضل تیرا شفیع طاعت و زہد　　عدل عاصی نواز و عصیاں پوش

ہجر نے کی مفارقت فانی
لے مبارک ہو موت کا آغوش

میں ہوں اک مرکز ہنگامۂ ہوش و رم ہوش　　دل اگر عالم مستی ہی تو سر عالم ہوش

عدم ہوش پہ ہی فطرت ہستی مائل
کس توقع پہ اٹھائے کوئی نازِ غمِ ہوش

بیخودی مایۂ عرفان خودی ہی یعنی
محرم جلوۂ اسرار ہی نامحرم ہوش

کچھ نہ وحدت ہی نہ کثرت نہ حقیقت نہ مجاز
یہ ترا عالم مستی وہ ترا عالم ہوش

مظہر ہستی و خلاق عدم ہی مری ذات
کچھ نہ تھا ورنہ بجز سلسلۂ برہم ہوش

عجب اک سانحۂ ہوش ربا تھی وہ نگاہ
میں ہوں اک عمر سے فانی ہمہ تن ماتم ہوش

برہم ہی میری ذات سے سارا نظام عیش
ٹوٹا ہی میرے عہد میں نیرنگ نام عیش

اب احتیاج شکوۂ اختر نہیں مجھے
مینائے خون عیش سے بھرتا ہوں جام عیش

گلشن صلائے عام اسیری ہی سربسر
پھیلا دیا بہار نے پھولوں پہ دام عیش

ردیف (غ)

لب منزل فغاں ہی نہ پہلو مکانِ داغ
دل رہ گیا ہی نام کو باقی نشانِ داغ

ای عشق خاک دل پہ ذرا مشق فتنہ کر
پیدا کر اس زمین سے کوئی آسمانِ داغ

دل کچھ نہ تھا تمھاری نظر نے بنا دیا
دنیائے درد، عالمِ حسرت، جہانِ داغ

پہلے اجل کو رخصت تلقین صبر دے
پھر آخری نگاہ سے سن داستانِ داغ

وہ تیری بزم تھی نہ ملی جس میں چپ کی داد
یہ حشر ہی یہاں تو کھلے گی زبانِ داغ

ہم سادہ دل ہیں خوش کہ ہوئی نذر دل قبول
اس بدگماں کو مدِّ نظر امتحانِ داغ

سارا ملال پیار کی نظروں سے مٹ گیا
ان رہزنوں نے لوٹ لیا کاروانِ داغ

فانی زمین گور غریباں ہی لالہ زار
پھر فصل گل میں خاک ہوئی ترجمانِ داغ

ردیف (ک)

منزل عشق ہے نمود وجود ہم بھی ہیں تیری بدگمانی تک
موت ہے ایک وقفۂ موہوم زندگانی سے زندگانی تک
مہربانی کی آس رہنے دے کون جیتا ہے مہربانی تک
ذکر جب چھڑ گیا قیامت کا بات پہنچی تری جوانی تک

نیند تھی چشم ناز میں فانیؔ
ایک بے خواب کی کہانی تک

ردیف (گ)

سیکھیے دل کے چھینے کے ڈھنگ نہ گئی دل کے ساتھ دل کی امنگ
دل ہے اور سحر سازئ ادراک آنکھ ہے اور فریب گردش رنگ
تیغ قاتل تری دُہائی ہے میری موت اور یہ دست بُرد درنگ
دین و دنیائے دیدہ و دل ہیں بزم صد رنگ و جلوۂ بے رنگ
شمع ہوں بے نیاز ظلمت و نور آئینہ ہوں بغیر صیقل و زنگ
میں ہوں عالم کو بے دلی کا پیام خیر و شر مدعا نہ صلح نہ جنگ

راز نیرنگئ حقیقت ہوں
میں ہوں فانیؔ حقیقت نیرنگ

مایۂ ناز راز ہیں ہم لوگ محرم راز ناز ہیں ہم لوگ
بزم دل میں دیا نہ عیش کو بار صاحب امتیاز ہیں ہم لوگ

ہم سے ملتی ہی برق طور کو داد
وہ تبسم نواز ہیں ہم لوگ

عقل عاجز ہی بے خبر ہی ہوش
چشم بد دوُر راز ہیں ہم لوگ

حشر امید سے مراد ہیں ہم
گلہ ہائے دراز ہیں ہم لوگ

تیری ناز آفرینیاں ہیں گواہ
کہ سراپا نیاز ہیں ہم لوگ

حسن بے جلوہ کچھ سہی فانیؔ
جلوۂ جلوہ ساز ہیں ہم لوگ

ردیف (ل)

ٹھکرا کے اُڑا دے پھر ہر ذرّۂ خاکِ دل
ہر سجدے سے پیدا کر اک سجدۂ مستقبل

مشکل ہو تو آساں ہو مشکل ہی نہیں شاید
آساں ہی نہیں ہوتی اللہ رے مری مشکل

اک حق کے سوا کوئی ہستی ہی نہ تھی یارب
یوں میرے سر آنکھوں پر تمییزِ حق و باطل

اس کشتیِ ہستی کو طوفاں ہی مبارک تھا
گرداب حوادث کے آغوش میں تھا ساحل

ہر دل میں ترا جلوہ ہر لب پہ مرا چرچا
غم زینتِ صد خلوت غم رونقِ صد محفل

ردیف (م)

نہ ابتدا کی خبر ہی نہ انتہا معلوم
رہا یہ وہم کہ ہم ہیں سو وہ بھی کیا معلوم

دعا تو خیر دعا سے امید خیر بھی ہی
یہ مدعا ہی تو انجام مدعا معلوم

ہوُا نہ رازِ رضا فاش وہ تو یہ کہیے
مرے نصیب میں تھی ورنہ سعی نا معلوم

مری وفا کے سوا غایتِ جفا کیوں ہی
تری جفا کے سوا حاصلِ وفا معلوم

کچھ ان کے رحم پہ تھی یوں ہی زندگی موقوف — کہ ان کو راز محبت بھی ہو گیا معلوم
ترے خیال کے اسرار بیخودی میں کھلے — ہمیں چھپا نہ سکے ورنہ دل کو کیا معلوم
فریب امن میں کچھ مصلحت تو ہے ورنہ — سکون کشتی و توفیق ناخدا معلوم
وہ التفات کہ تھا اس کی انتہا بھی ہے — خدا کی مار کہ دل کو یہی نہ تھا معلوم

یہ زندگی کی ہے روداد مختصر فانیؔ
وجودِ درد مُسلّم علاج نامعلوم

وادیٔ شوق میں وارفتۂ رفتار ہیں ہم — بیخودی کچھ تو بتا کس کے گنہگار ہیں ہم
ہاں ابھی بے خبر لذّت آزار ہیں ہم — مژدہ ای مشق ستم تازہ گرفتار ہیں ہم
ہو غم ہستیٔ جاوید گوارا کیوں کر — جان کیا دیں کہ بہت جان سے بیزار ہیں ہم
میں نے گویا صلۂ مہر و وفا بھر پایا — کاش اتنا ہی وہ کہہ دیں کہ جفاکار ہیں ہم
حسن حیرت تو میسر ہے تماشا نہ سہی — تیری محفل میں ہیں گو نقش بدیوار ہیں ہم
یوں تو کچھ غم سے سروکار نہ راحت کی تلاش — غم کوئی دل کے عوض دے تو خریدار ہیں ہم

وہ ہے مختار سزا دے کہ جزا دے فانیؔ
دو گھڑی ہوش میں آنے کے گنہگار ہیں ہم

رازِ ناکامیٔ وفا کی قسم — دل جفا دوست ہے خدا کی قسم
جانتا ہوں حقیقت باطل — ماسوا تو ہے ماسوا کی قسم
حسن مطلق بھی ہے حجاب ان کا — اعتبارات برملا کی قسم
دل ہے اب التفات کے قابل — بے کسی ہائے مدعا کی قسم
غم فرقت ہے ابتدا دل کی — مالک علم ابتدا کی قسم
نور و ظلمت جدا نہیں ہوتے — آپ کی چشم سرمہ سا کی قسم
عین کشتی ہے راز ہر گرداب — زور بازوئے ناخدا کی قسم

عشق رسوا مجھی کو تھا منظور سعی اظہار ماجرا کی قسم
میں ہوں فانی صحیفۂ باقی
حرف بے معنئ فنا کی قسم

کیا کہیں کیوں خاموش ہوئے ہیں سُن کے تری فرقت کی خبر ہم
نالۂ دل کے جتنے تھے اجزا ہو گئے سارے درہم و برہم
گو بیٹھے بھی اُٹھے بھی ہم محفل دشمن میں تیری خاطر
بیٹھ گئے دل زار کی صورت اُٹھے صورتِ دردِ جگر ہم
شکوۂ جورِ بتاں ہم کرتے ظاہر دردِ نہاں ہم کرتے
مانا آہ و فغاں ہم کرتے لاتے کہاں سے تجھ کو اثر ہم
کوئی گھڑی ای بیخودی غم دم لینے دے سنبھلنے دے
آ کوئی دم ای ہوش کہ تجھ سے پوچھیں گے کچھ اپنی خبر ہم
دوست تسلّی دینے آئے لے کے دوائیں چارہ گر آیا
لیجیے آئی زخمِ جگر پر اور اک تازہ آفت مرہم
ڈوب ہی جا ای کشتئ ہستی کچھ تو ہو آخر ورنہ کہاں تک
بحر تلاطم خیز جہاں میں یوں ہی رہیں گے زیر و زبر ہم
گھڑیاں اپنی عُمر کی ہم نے غنچوں میں چل پھر کے گزاریں
آئے تھے فانی باغ جہاں میں گویا مثلِ نسیمِ سحر ہم

زندگی کا ہی امتحاں انجام حذر ای آہ الاماں انجام
تیرے گھر کی زمیں ارے توبہ ذرّہ ذرّہ ہی آسماں انجام
حسن ہی جاودان بے آغاز عشق آغاز جاوداں انجام
طبعِ نازک پہ بار اک اک حرف حال دل حرف داستاں انجام

اور جو دل جائے دل سے دل یارب ایک دل کا ہی دو جہاں انجام
کم نہ تھی عمر اک نظر کے لیے عشق تھا مرگ ناگہاں انجام
پوچھتے ہو نشان فانی کیا
وہ ہی اک قبر بے نشاں انجام

ردیف (ن)

یہ دُھن ہی تری یاد دھیان ہی تیرا جانے اسے کیا کہتے ہیں
اب ہوش و حواس بھی آٹھ پہر کچھ کھوئے ہوئے سے رہتے ہیں
اچھا ہی اگر دو آگ کے دریا آنسو بن کر بہتے ہیں
آنکھوں میں تو رہ کر یہ فتنے طوفان اُٹھائے رہتے ہیں
تو اور کہیں ہم اور کہیں ممکن جو نہ تھا وہ ممکن ہی
جب سنتے تھے تو ڈرتے تھے اب پڑتی ہی تو سہتے ہیں

مری آنکھوں سے بہنا چاہیے دل کا لہو برسوں رہی ہی ان کو خونِ آرزو کی آرزو برسوں
بھیجے جانے کی تہمت کس سے اُٹھتی کس طرح اُٹھتی ترے غم نے بچائی زندگی کی آبرو برسوں
نگاہوں نے دلوں میں دل نے آنکھوں میں تجھے ڈھونڈھا تری دُھن میں رہے سودائیانِ جستجو برسوں
نقابِ جلوہ کی کایا پلٹ دی شوقِ بے حد نے مری وحشت نے توڑا ہی طلسمِ رنگ و بو برسوں
تری ایذا پسندی کی ادا بھی کیا قیامت ہی مجھے مرنے نہ دے گی آرزوئے مرگ تو برسوں
ہماری بے کسی کی موت بدلا تھی اسیری کا رہا طوقِ اسیری بھی گرفتارِ گلو برسوں
کیے جائیں گے دل کے خاتمے پر شکر کے سجدے وفاؤں نے کیا ہی خونِ حسرت سے وضو برسوں

نہ چھیڑ اے نامرادی خستۂ امّیدِ باطل ہوں
رہا ہے چاکِ دل آزردۂ مشقِ رفو برسوں

تجھے اور حالِ دل سے یہ تجاہل توبہ کر توبہ
کہ تجھ سے میری خاموشی نے کی ہے گفتگو برسوں

مری اک عمر فانیؔ نزع کے عالم میں گزری ہے
محبت نے مری رگ رگ سے کھینچا ہے لہو برسوں

لطف و کرم کے پُتلے ہو اب قہر و ستم کا نام نہیں
دل پہ خدا کی مار کہ پھر بھی چین نہیں آرام نہیں

جتنے منہ ہیں اُتنی باتیں دل کا پتہ کیا خاک چلے
جس نے دل کی چوری کی ہے ایک اسی کا نام نہیں

جلوہ و دل میں فرق نہیں جلوے ہی کو اب دل کہتے ہیں
یعنی عشق کی ہستی کا آغاز تو ہے انجام نہیں

رُک کے جو سانسیں آئیں گئیں مانا کہ وہ آہیں تھیں لیکن
آپ نے تیور کیوں بدلے آہوں میں کسی کا نام نہیں

عشق کے آزاری بھی کہیں مر جانے سے جی جاتے ہیں
لے یہ تسلی رہنے دے اے موت یہ تیرا کام نہیں

کب سے پڑی ہیں دل میں تیرے ذکر کی ساری راہیں بند
برسیں گزریں اس بستی میں رسمِ سلام و پیام نہیں

حد تھی یہ بے تابیٔ دل کی جانیے اب کیا ہونا ہے
صبر کی حد بھی ہو نے آئی صبح نہیں یا شام نہیں

دل ہی پہ اپنا بس نہیں چلتا ان کی شکایت کیا کیجیے
آپ ہم اپنے دشمن ٹھہرے دوست پہ کچھ الزام نہیں

دل سے کسی کی آنکھوں تک کچھ راز کی باتیں پہنچی ہیں
آنکھ سے دل تک آیا ہو ایسا تو کوئی پیغام نہیں

نزع میں فانیؔ تو نے یہ کس کا چپکے چپکے نام لیا
کیوں او کافر تیری زباں پر اب بھی خدا کا نام نہیں

آدر نہ جانتا ہوں فریب نظر کو میں
دیکھوں اُلٹ کے پردۂ داغِ جگر کو میں

ہر نقشِ پا کو دیکھ کے دُھنتا ہوں سر کو میں
پہچانتا نہیں ہوں تری رہ گزر کو میں

عہدِ خزاں میں رفتۂ آشوبِ ہوش ہوں
بھولا ہوا ہوں موسمِ دیوانہ گر کو میں

گم کردہ راہ ہوں قدمِ اوّلیں کے بعد
پھر راہبر مجھے نہ ملا راہبر کو میں

وہ پائے شوق دے کہ جہت آشنا نہ ہو
پوچھوں نہ خضر سے بھی کہ جاؤں کدھر کو میں

مایوسِ انتظار ہوں مجنونِ اضطراب
ہنستا ہوں دیکھ دیکھ کے دیوار و در کو میں

بہلا نہ دل نہ تیرگیٔ شامِ غم گئی ۴ یہ جانتا تو آگ لگاتا نہ گھر کو میں
دو تین ہچکیوں میں دمِ نزع کہہ گیا شرحِ درازِ زندگیٔ مختصر کو میں
فانی دعائے مرگ کی فرصت نہیں مجھے
یعنی ابھی تو ڈھونڈھ رہا ہوں اثر کو میں

دل وقفِ تپش ہی ہائے مگر وجہ تپش دل کوئی نہیں
بسمل ہوں مگر کیوں بسمل ہوں فریاد کہ قاتل کوئی نہیں
کس زعم میں ہی ای رہروِ غم دھوکے میں نہ آنا منزل کے
یہ راہ بہت کچھ چھانی ہی اس راہ میں منزل کوئی نہیں
یہ واہمہ تھا یا مشکل تھی کیوں میں نے کہا کیا نادم ہوں
وہ پوچھتے ہیں کیا مشکل ہی کیا کہیے کہ مشکل کوئی نہیں
بس ان پہ نہ ان کی یاد پہ ہی تقدیر کے کیا کیا پہلو ہیں
تدبیر سے حاصل کچھ بھی نہیں تدبیر سے غافل کوئی نہیں
دریائے محبّت بے ساحل اور ساحل بے دریا بھی ہی
جو موج ڈبودے ساحل ہی یوں نام کا ساحل کوئی نہیں
کر شیشہ و ساغر بادہ و ساقی گل اور شمع سے قطعِ نظر
محفل میں یہ رونق کس کی ہی جب صاحبِ محفل کوئی نہیں
خود حسن کمالِ حسن ہی یعنی حسن جہاں ہی کامل ہی
اور عشق مآلِ عشق ہی یعنی عشق میں کامل کوئی نہیں
گو جلوۂ غیب شہود ہی پھر بھی غیب کے جلوے غیب میں ہیں
نظارہ نظر میں شامل ہی نظارہ میں شامل کوئی نہیں

ہستی ہی نہیں جو باطل ہو پھر فرقِ مجاز و حقیقت کیا
یہ عرضِ حقیقت ہی وہ حقیقت ہستیٔ باطل کوئی نہیں

فانیؔ ہی وہ اک دیوانہ تھا جو موت سے پہلے مرجائے
کیا ہوش کی کافر دُنیا میں اس موت کے قابل کوئی نہیں

خرابِ لذّتِ دیدار یار ہم بھی ہیں
ترے شریکِ دلِ بے قرار ہم بھی ہیں

نہ دن کو چُپ ہیں نہ راتوں کو تیری طرح اداس
جلے ہوئے تو چراغِ مزار ہم بھی ہیں

امیدِ مرگ ہی باقی تو نا امید نہیں
کہ اپنی وضع کے امیدوار ہم بھی ہیں

کسی کی بزمِ طرب میں کچھ ایک شمع نہیں
حریفِ گریۂ بے اختیار ہم بھی ہیں

ادھر بھی دیدۂ عبرت نگاہ ایک نظر
کہ عہدِ شوق کی اک یادگار ہم بھی ہیں

یہاں بھی ہی دلِ آگاہ وقفِ لذّتِ درد
خرابِ مستیٔ عیشِ خمار ہم بھی ہیں

زمینِ گورِ غریباں پہ اک جگہ نہ ٹھہر
یہیں کہیں نگہ شرمسار ہم بھی ہیں

حجابِ ہوش اُٹھا اب کوئی حجاب نہیں
خیالِ یار سے اب ہم کنار ہم بھی ہیں

جنوں نے دی ہمیں راحت وگرنہ ای فانیؔ
نشانۂ المِ روزگار ہم بھی ہیں

چھائی ہوئی ہیں دل پراسرار کی گھٹائیں
رحمت کی بجلیوں سے معمور ہیں فضائیں

رہ جائے کیوں فنا کا ہنگامہ نامکمل
کچھ میری زندگی سے لے لیجیے بلائیں

ہاں ای یقینِ وعدہ دامن ترا نہ چھوٹے
یہ آسرا نہ ٹوٹے وہ آئیں یا نہ آئیں

دیکھوں سنا کروگے بیگانہ وار کب تک
تم میری حسرتوں کی خاموش التجائیں

انصاف چاہتا ہوں انصاف ہو رہے گا
بیدادگر یہ آہیں خالی گئیں نہ جائیں

کہتے جو دردِ دل کو تم دردِ دل سمجھتے
افسانہ کیا سنوگے افسانہ کیا سنائیں

وہ منفعل نگاہیں کیا کہہ گئیں کہ فانیؔ
شرمندۂ اثر ہیں روٹھی ہوئی دعائیں

خود مسیحا خود ہی قاتل ہیں تو وہ بھی کیا کریں
زخمِ دل پیدا کریں یا زخمِ دل اچھا کریں

دل رہے آلودہ دامن اور ہم دیکھا کریں
آج اے اشکِ ندامت آ تجھے دریا کریں

جسمِ آزادی میں پھونکی تو نے مجبوری کی روح
خیر جو چاہا کیا اب یہ بتا ہم کیا کریں

خون کے چھینٹوں سے کچھ پھول کھلا کے ہی سہی
موسمِ گل آ گیا زنداں میں بیٹھے کیا کریں

جا بجا تغیرِ حالِ دل کے چرچے ہیں تو ہوں
ہم ہوئے رُسوا مگر اب ہم کسے رُسوا کریں

ہاں نہیں شرطِ مروّت حسرتِ تاثیرِ درد
رحم آ ہی جائے گا اُن سے تقاضا کیا کریں

شوقِ نظارہ سلامت ہے تو دیکھا جائے گا
ان کو پردہ ہی اگر منظور ہے پردا کریں

ظرفِ ویرانہ بقدرِ ہمتِ وحشت نہیں
لاؤ ہر ذرہ میں پیدا وسعتِ صحرا کریں

مرگِ بے ہنگامِ فانیؔ وجہِ تسکیں ہو چکی
زندگی سے آپ گھبراتے ہیں گھبرایا کریں

دل کی ہر لرزشِ مضطر پہ نظر رکھتے ہیں
وہ مری بے خبری کی بھی خبر رکھتے ہیں

درد میں لطفِ خلش کیفِ کشش پاتا ہوں
کیا وہ پھر عزمِ تماشائے جگر رکھتے ہیں

جس طرف دیکھ لیا پھونک دیا طورِ مجاز
یہ ترے دیکھنے والے وہ نظر رکھتے ہیں

خود تغافل نے دیا مژدۂ بیداد مجھے
اللہ اللہ مرے نالے بھی اثر رکھتے ہیں

بے بسی دیکھ یہ سو بار کیا عہد کہ اب
تجھ سے امید نہ رکھیں گے مگر رکھتے ہیں

ہے ترے در کے سوا کوئی ٹھکانا اپنا؟
کیا کہیں تیرے اُجاڑے ہوئے گھر رکھتے ہیں

کوئی اس جبرِ تمنّا کی بھی حد ہے فانیؔ
ہم شبِ ہجر میں اُمیدِ سحر رکھتے ہیں

مر کر ترے خیال کو ٹالے ہوئے تو ہیں
ہم جان دے کے دل کو سنبھالے ہوئے تو ہیں

بیزار ہو نہ جائے کہیں زندگی سے دل
تاثیر سے خفا مرے نالے ہوئے تو ہیں

ہاں دردِ عشق ان پر کرم کی نظر رہے
صبر و قرار تیرے حوالے ہوئے تو ہیں

یہ صحبتیں بھی دیکھیے لاتی ہیں رنگ کیا
مہمان خار پاؤں کے چھالے ہوئے تو ہیں

کیا جانیے کہ حشر ہو کیا صبح حشر کا
بیدار تیرے دیکھنے والے ہوئے تو ہیں

فانیؔ تیرے عمل ہمہ تن جبر ہی سہی
سانچے میں اختیار کے ڈھالے ہوئے تو ہیں

پہلوئے زوال ہوں معنئ کمال میں
میں ہوں حدِ امتیاز جلوہ و جمال میں

بیخودی کدھر گیا وہ حجاب اضطراب
کیا ہوا جو فرق تھا ہجر اور وصال میں

آدمی میں کچھ نہیں آپ نے سمو دیا
عالمِ غبار کو عالمِ خیال میں

ابتدائے زندگی انتہائے زندگی
آپ کے خیال سے آپ کے خیال میں

عرضِ ناز راز ہی کثرتِ مجاز کا
آئینے سے لگ گئے پرتوِ جمال میں

میرے ہر سوال پر وہ خموش ہی رہے
کیا مرا جواب تھا خود مرے سوال میں

فانئ شکستہ دل تو نے کر دیے جدا
ورنہ ممکناتِ شوق جذب تھے محال میں

فصل خبر بڑھا گئی عمر کے بابِ راز میں
یادِ وصال مختصر لے کے شبِ دراز میں

جلوۂ اختیار سے نسبتِ جبر ہی مجھے
شعلۂ آرمیدہ ہوں وادئ برقِ ناز میں

بے اثری مجھے قبول ایسے اثر کو کیا کروں
اب تو خدا اثر نہ دے آہِ اثر گداز میں

ہم نہ ازل سے آج تک سجدے سے سر اٹھا سکے
چھپ رہے جلوہ ہائے دوست کب کے حریمِ ناز میں

حشر میں حشر چاہیے حشر پہ حشر چاہیے
دفن ہیں سجدہ ہائے شوق ناصیۂ نیاز میں

چشم براہِ یار ہوں منتظرِ فشار ہوں
سبزۂ رہ گزار ہوں عالمِ عرضِ ناز میں

چارۂ تپ فراق کا شکر نہیں تو کچھ نہیں
بوئے مزاج یار ہے نبض بہانہ ساز میں

عالمِ درد کا نظام آ کے ذرا الٹ نہ دو
عشق سے فرق آ گیا حسن کے امتیاز میں

زہر ہے یا دوائے دل وہ ہیں کہ موت ہے قریب
رعشہ مری نظر میں ہے یا کفِ چارہ ساز میں

فانیٔ زار کا ہوا خیر سے خاتمہ بخیر
عمر تمام ہو گئی عشق کے سوز و ساز میں

شکرِ فریاد سے فارغ لبِ فریاد نہیں
اس تکلّف سے ہے بیداد کہ بیداد نہیں

جی چمن ہی میں لگا اور نہ قفس میں بہلا
نالہ بے قید نہیں زمزمہ آزاد نہیں

میری نظروں میں تو بے واسطۂ دید ہے تو
میں بہ عنوانِ تجلی بھی تجھے یاد نہیں

دل مشتاق ہے اور بے حسیِ شدّتِ شوق
اب یہ گھر تیرے تصور سے بھی آباد نہیں

غم باندازہ غلط عیش باندازہ حرام
دے مجھے وہ دلِ آگاہ کہ ناشاد نہیں

تیرے ناکام کا ہوتا ہے کہیں کام تمام
نیش غم ہے یہ کوئی تیشۂ فرہاد نہیں

کون سمجھے اثرِ جلوۂ مستور کا راز
جو سنی جائے محبت کی وہ روداد نہیں

آشیاں پر کرمِ برق کی باری آئی
مژدہ اے ذوقِ بلا باغ میں صیّاد نہیں

صرفِ عبرت ہے ہر افسانۂ ہستی فانی
حرفِ حسرت کے سوا عالمِ ایجاد نہیں

فرقت میں تارِ اشک ہے ہر تارِ آستیں
ہر داغ خوں ہے دیدۂ خوں بارِ آستیں

رکھ پنجۂ جنوں سے سروکارِ آستیں
کب تک رہیں گے ہاتھ گرانبارِ آستیں

کل تک جو ہاتھ چشم و چراغِ جنوں رہا
ہے آج فرطِ ضعف سے آزارِ آستیں

انبار آنسوؤں کے ہیں خونِ جگر کے ڈھیر
معمور ہے خزانۂ سرکارِ آستیں

میری آشفتہ حالیاں نہ گئیں
دل کی نازک خیالیاں نہ گئیں

دل حریفِ زوالِ غم نہ ہؤا
عشق کی بے کمالیاں نہ گئیں

موت بھی زندگی کی حد نہ رہی
غم کی بے اعتدالیاں نہ گئیں

میری شیوا نگاہیاں جائیں
تیری رسوا جمالیاں نہ گئیں

عشق بیگانۂ مجاز رہا
حسن کی بے مثالیاں نہ گئیں

ہوش میں لاکھ انقلاب آئے
عقل کی خستہ حالیاں نہ گئیں

موت بھی آ ہی جائے گی فانی
تیری محزوں خیالیاں نہ گئیں

زندگی جبر ہی اور جبر کے آثار نہیں
ہائے اس قید کو زنجیر بھی درکار نہیں

بے ادب گریۂ محرومیٔ دیدار نہیں
ورنہ کچھ در کے سوا حاصلِ دیوار نہیں

آسماں بھی ترے کوچہ کی زمیں ہی لیکن
وہ زمیں جس پہ ترا سایۂ دیوار نہیں

ہائے دنیا وہ تری سرمہ تقاضا آنکھیں
کیا مری خاک کا ذرّہ کوئی بے کار نہیں

نم ہی ہر ذرّۂ خورشید اثر کا دامن
کم ہی آج آنکھ میں اک قطرۂ دریا دامن

یہ مرے دستِ تظلّم کی رسائی یہ نصیب
ہجر میں دامنِ دل حشر میں ان کا دامن

پست کر حوصلۂ ذوقِ تماشا کہ ہنوز
دور ہی وہ ہم نظر سے وہ اچھوتا دامن

جو تاب دل نوازیٔ درماں نہ لا سکے
میں ہوں وہ دردِ غم کدۂ روزگار میں

ہی عکس روئے دوست پہ اک پرتوِ مجاز
میری نظر بھی کھنچ گئی تصویرِ یار میں

دعویٰ یہ ہی کہ دوریٔ معشوق ہی محال
مطلب یہ ہی کہ قرب نہیں اختیار میں

قربان اک ادائے تغافل پہ لاکھ بار
وہ زندگی جو صرف ہوئی انتظار میں

زباں مدعا آشنا چاہتا ہوں
دل اب زندگی سے خفا چاہتا ہوں

ادا کو ادا آشنا چاہتا ہوں
تجھی پر تجھے مبتلا چاہتا ہوں

وفا چاہتے ہیں وفا چاہتا ہوں
وہ کیا چاہتے ہیں میں کیا چاہتا ہوں

محبت کو رسوا کیا چاہتا ہوں
نظر محرم التجا چاہتا ہوں

تعیّن غمِ عشق کا چاہتا ہوں
انھیں چاہتا ہوں یہ کیا چاہتا ہوں

ترے دل کو درد آشنا چاہتا ہوں
بھلا چاہتا ہوں بُرا چاہتا ہوں

بہت تنگ ہے وہم ہستی کی دنیا
میں عالم ہی اب دوسرا چاہتا ہوں

شبِ ہجر تیرا تصوّر ہی تو ہے
تجھے آج تجھ سے جُدا چاہتا ہوں

مری موت ماتم کا حسنِ طلب ہے
سکوں ایک ہنگامہ زا چاہتا ہوں

خطا ڈھونڈھتا ہوں عطاؤں کے قابل
عطا چاہتے ہیں خطا چاہتا ہوں

پھر اس بزم کو ڈھونڈھتی ہیں نگاہیں
پھر اک شکوۂ برملا چاہتا ہوں

وہ فریاد کا عہد پھر یاد آیا
پھر اک نالۂ نارسا چاہتا ہوں

پھر آداب فرقت ہیں ملحوظ یعنی
ہجوم بلا در بلا چاہتا ہوں

پھر اک سجدۂ توبہ کی آرزو ہے
تجھے آپ سے پھر خفا چاہتا ہوں

پھر امیدوارِ کرم ہوں کہ فانی
ستم ہائے شوق آزما چاہتا ہوں

کوئی وجہ تسکیں نہیں غم نہ راحت
خدا جانے فانی میں کیا چاہتا ہوں

لاؤ کچھ تکملۂ شوق کا ساماں کرلیں
دلِ بے تاب کو بھی دیدۂ حیراں کرلیں

ہر نفس وقفِ خیالِ رُخِ جاناں کرلیں
زندگی ہجر میں دشوار ہے آساں کرلیں

دادِ مظلوم نگاہی بھی تو لے لینے دے
ٹھہر اے موت کہ قاتل کو پشیماں کرلیں

نہیں کہ دل کی روش میں کچھ انقلاب نہیں
اب اضطراب کی صورت میں اضطراب نہیں

نظر وہی ہے جو محروم صد تماشا ہو
وہ دل ہی جان تمنا جو کامیاب نہیں

غم حبیب پیام سکون موت سہی
مرے نصیب میں تسکین اضطراب نہیں

نگاہ شوق کی رعنائیوں کا کیا کہنا
مگر خدا کی قسم آپ کا جواب نہیں

مجھے یہ دعوتِ روزِ حساب کیوں یارب
مرے گناہ تو شرمندۂ حساب نہیں

بقدرِ حوصلہ ہے فرقِ انتظار و فراق
امیدِ خواب نہ تھی آرزوئے خواب نہیں

بہ جان فانیؔ غم مرحوم اب وہ بات کہاں
تری گلی میں جو وہ خانماں خراب نہیں

جز وہم یقین و عین یقیں اس منزل آب و گل میں نہیں
یہ عالم دل ہے یعنی وہ آنکھوں میں نہیں جو دل میں نہیں

غم خانۂ دل کا کیا کہنا وہ کچھ بھی سہی یہ بات کہاں
خلوت میں یہاں جو جلوت تھی وہ آج تری محفل میں نہیں

سُنتے تھے محبّت آساں ہے واللہ بہت آساں ہے مگر
اس سہل میں جو دشواری ہے وہ مشکل سی مشکل میں نہیں

گو راحت و رنج میں فرق نہیں یہ فرقِ مراتب کیا کم ہے
جو سعیِ حصول عیش میں ہے وہ عیش غمِ حاصل میں نہیں

دل خاک ہؤا ہر چند مگر پستی کی طرف جو مائل ہو
ایسا کوئی ذرّہ اے دنیا اس خاکِ فلک منزل میں نہیں

جب ڈوبنے والے ڈوب چکے اور ساحل و دریا ایک ہوئے
پھر لطفِ امید و بیم کہاں دریا میں نہیں ساحل میں نہیں

اب کس سے جفا کا حال کہیں اب کس سے وفا کی داد ملے
بیداد نہیں غمّاز نہ ہو آواز شکست دل میں نہیں
جینے کی حدیں ملتی ہیں کہیں ایمائے اجل ہی آگے بڑھ
منزل کا نشاں ہی ہر منزل آرام کسی منزل میں نہیں
ہم بھی ہوں خیال یار بھی ہو اس فکر محال سے کیا حاصل
بس اب فانیؔ ہم ہی نہیں یا کوئی ہمارے دل میں نہیں

امید کرم کی ہی ادا میری خطا میں
اک بات نکلتی ہی مری لغزش پا میں
سمجھو تو غنیمت ہی مرا گریۂ خونیں
یہ رنگ ہی پھولوں میں نہ یہ بات حنا میں
جھک جاتے ہیں سجدے میں سر اور پھر نہیں اٹھتے
کیا سحر ہی کافر ترے نقش کف پا میں
وہ جان محبت ہیں وہ ایمان محبت
جو ان کے اشارے ہیں محبت کی ادا میں
پاتا ہوں کچھ آثار تمنا ابھی فانیؔ
کھوئی ہوئی دنیا ہی مری دل کی فضا میں

اُن کے آگے جب یہ آنکھیں ڈبڈبا کر رہ گئیں
وہ حیا پرور نگاہیں مسکرا کر رہ گئیں
کچھ جفاؤں کی تلافی کچھ وفاؤں کا صلہ
وہ ادائیں صبر ہی صبر آزما کر رہ گئیں
آسماں سر پر اُٹھا لینے کی ہمت اب کہاں
لب تک آئیں بھی اگر آہیں تو آ کر رہ گئیں
ثبت تھی اوراقِ کُن پر صرف میری سرگزشت
ہستیاں میرا ہی افسانہ سنا کر رہ گئیں
اب مری بربادیوں کو حشر کا ہی انتظار
جس قدر فتنے میسر تھے اُٹھا کر رہ گئیں

وہ ہی وہ ہیں مگر ظہور نہیں
اس طرح دور ہیں کہ دور نہیں
کچھ ہمیں کو یہ زندگی ہی عزیز
ان کی بیداد کا قصور نہیں

گھر جلاتے تو ہو مگر کس کا — دل ہی بندہ نواز طور نہیں
تم پہ مرنا جنھیں نہیں آتا — زندگی کا انھیں شعور نہیں
ہم بھی اپنی وفا پہ ہیں مغرور — بات کی بات ہی غرور نہیں
ترک دنیا نہ ہو سکے تو نہ کر — غم دنیا مگر ضرور نہیں

ہم نہ تھے کل کی بات ہی **فانی**
ہم نہ ہوں گے وہ دن بھی دور نہیں

دل میں آتے ہوئے شرماتے ہیں — اپنے جلووں میں چھپے جاتے ہیں
ہر نصیحت ہی نرالی ناصح — ورنہ سمجھے ہوئے سمجھاتے ہیں
وہ مرے قتل کا فرمان سہی — کچھ وہ ارشاد تو فرماتے ہیں
جور کو جور بھی اب کیا کہیے — خود وہ تڑپا کے تڑپ جاتے ہیں

دل سے **فانی** یہ الجھ پڑنا کیا
آپ دیوانے کے منہ آتے ہیں

عقل کہتے ہیں جسے مقبول اہل دل نہیں — اس جنوں کو امتیاز عاشقی حاصل نہیں
ماورائے حد ہر منزل ہی شاید کوئے دوست — ہم نے جو چھانی نہ ہو ایسی کوئی منزل نہیں
گرم رو ہوں نقش پا بنتے گئے جلتے گئے — مسلک اپنا امتیاز جادہ و منزل نہیں
ہر لطافت کا تصور ماسوا آلود ہی — آئینہ دل کا تری تصویر کے قابل نہیں
بزم ارباب نظر ہی کب سے تیری منتظر — آ کہ دل کا نام باقی رہ گیا ہی دل نہیں
وہ مسافر ہوں جو ہو ختم سفر سے بے نیاز — میری ہر منزل نشان راہ ہی منزل نہیں
بن نہیں پڑتی ہی تیری یاد سے تیری سی بات — ہاں مگر اتنا کہ گویا تو ہی تو ہی دل نہیں

کیا کروں نازک بہت ہی ان کی مرضی کا سوال
ورنہ **فانی** اس جیے جانے سے کچھ حاصل نہیں

رہبر ہو خضر کا جو رہِ ذوق و خبر میں
وہ نقشِ کفِ پا ہوں تری راہ گزر میں

کانٹوں میں بھی پھولوں کی ادا تھی ترے آگے
اب باغ میں جو پھول ہے کانٹا ہے جگر میں

ادراک ہی مظہر مری شوریدہ سری کا
سودا ہے بعنوان محبت مرے سر میں

اس عالم تصویر کو دیکھا تو یہ دیکھا
میری ہی نظر محو ہے میری ہی نظر میں

تم تھے تو مری شام میں تھا صبح کا عالم
تم جب سے گئے شام جھلکتی ہے سحر میں

ہر اشک تری یاد کے جلووں سے ہے معمور
دُنیا سمٹ آئی ہے مرے دیدۂ تر میں

فانی ہے مری آہ و فغاں میں اثر اُلٹا
شاید مری تقدیر کی گردش ہے اثر میں

ان کی کسی ادا پہ جفا کا گماں نہیں
شوخی ہے جو بہ سلسلۂ امتحاں نہیں

دیکھا نہیں وہ جلوہ جو دیکھا ہوا سا ہے
اس طرح وہ عیاں ہیں کہ گویا عیاں نہیں

نا مہربانیوں کا گلہ تم سے کیا کریں
ہم بھی کچھ اپنے حال پہ اب مہرباں نہیں

اب تک لگاوٹیں ہی سہی لاگ تو نہ تھی
یہ کیا ہوا کہ مجھ سے وہ اب بدگماں نہیں

شاید زمین کوئے بتاں آسماں ہوئی
کہتے ہیں اب زمیں پہ کوئی آسماں نہیں

بربادِ صد بہار ہوں میری نگاہ میں
جو آشنائے برق نہیں آشیاں نہیں

ساری ہے دردِ دل مری رگ رگ میں چارہ ساز
کیا پوچھتا ہے درد کہاں ہے کہاں نہیں

کل تک زبانِ خلق پہ ہو گی وہ داستاں
اب تک مری زبان پہ جو داستاں نہیں

تیرا کرم کہ تو نے وہ دل کو عطا کیا
جو غم بقدرِ حوصلۂ آسماں نہیں

بجلی کہیں گری ہو مگر ہم قفس مجھے
ڈر ہے کہ اب کسی نے کہا آشیاں نہیں

فانی کوئی غم اور ابھی اُٹھ رہا ہے کیا
دل پر ہنوز بارِ محبت گراں نہیں

تسکین عجیب چاہتا ہوں
دشمن کا نصیب چاہتا ہوں

تم دل میں بھی رہ کے دور سے ہو | کچھ اور قریب چاہتا ہوں
ہوں محو جمال عالم افروز | عالم کو رقیب چاہتا ہوں
انجام بخیر ہو نظر کا | دیدار حبیب چاہتا ہوں

غم کو جو خوشی بنا کے چھوڑے
فانی وہ نصیب چاہتا ہوں

جب کی ہے فکر تجزیۂ ہر مثال میں | گم ہو گئی ہے ان کی تجلّی جمال میں
امکان معرفت کو سمو کر محال میں | وہ دل میں یوں رہے کہ نہ آئے خیال میں
ٹوٹا نہ ہم سے رشتۂ رسم حجاب عشق | چھوٹا نہ ہم سے ہجر کا دامن وصال میں
قدموں پہ گر کے کوئی خطاوار مر نہ جائے | ذوق آفرینیاں ہیں تمھارے ملال میں
ملتی نہیں قصور ہستی سے اب نجات | گھر سا گیا ہوں حلقۂ دام خیال میں
آخر زمانہ آئینہ دکھلا کے رہ گیا | لانا پڑا تمھیں کو تمھاری مثال میں
اپنی طرف بھی جھک کے نگاہیں رہیں بلند | دیکھا کیے کمال کا پہلو زوال میں
گھٹتا ہے جی کہ ہم نہیں مختار انفعال | اک موج خوں بھی ہے عرق انفعال میں

فانی ہے ان سے طالب صد مرگ عاشقی
اے ہمت سوال اثر دے سوال میں

نالے وہ اب ہیں لب پہ جو گھٹے ہوئے سے ہیں | آغوش اضطراب میں سوئے ہوئے سے ہیں
کرتے ہیں بزم ناز سے ہم اکتساب رنگ | دامان دل لہو میں ڈبوئے ہوئے سے ہیں
گزرا فریب ہر غم و شادی کا مرحلہ | ہنستے ہوئے سے اب ہیں نہ روئے ہوئے سے ہیں
غم ہائے روزگار سے ممکن نہیں گریز | یہ بھی ترے ستم میں سموئے ہوئے سے ہیں
بالیں پہ آ کے نزع کے پردے میں چھیڑ دو | نغمے جو ساز مرگ میں سوئے ہوئے سے ہیں
کچھ پاس جوش گریہ ہے کچھ پاس ضبط درد | اشکوں سے آستیں کو بھگوئے ہوئے سے ہیں

دامان تیغ یار سے فانی لہو کے داغ
دھوئے گئے ہیں اور نہ دھوئے ہوئے سے ہیں

آپ سے شرحِ آرزو تو کریں
آپ تکلیف گفتگو تو کریں

وہ یہیں ہیں جو وہ کہیں بھی نہیں
آیئے دل میں جستجو تو کریں

اہلِ دُنیا مجھے سمجھ لیں گے
دل کسی دن ذرا لہو تو کریں

رنگ و بو کیا ہے یہ تو سمجھا دو
سیرِ دُنیائے رنگ و بو تو کریں

تُم سے ملنے کی آرزو ہی سہی
تُم سے ملنے کی آرزو تو کریں

وہ اُدھر رُخ اِدھر ہے میت کا
لوگ فانی کو قبلہ رو تو کریں

گردش میں تھا وہ ایک ہی جلوا کہاں کہاں
تھی فرش راہ چشم تماشا کہاں کہاں

ذرّے میں دشت قطرے میں طوفاں چھپے رہے
ڈالا مری نگاہ نے پردا کہاں کہاں

بزم الست، دارِ فنا، جلوہ گاہِ حشر
پہنچی ہے لے کے ان کی تمنا کہاں کہاں

قلب و جگر کے درد کا پھر کس کو ہوش تھا
جب اس نے مسکرا کے یہ پوچھا کہاں کہاں

آخر نگاہِ دوست میں فانی نے پا لیا
یوں مرگِ ناگہاں تجھے ڈھونڈھا کہاں کہاں

ردیف (و)

مآلِ سوزِ غم ہائے نہانی دیکھتے جاؤ
بھڑک اُٹھی ہے شمعِ زندگانی دیکھتے جاؤ

چلے بھی آؤ وہ ہے قبر فانی دیکھتے جاؤ
تم اپنے مرنے والے کی نشانی دیکھتے جاؤ

ابھی کیا ہی کسی دن خوں رلاوے گی یہ خاموشی
زبانِ حال کی جادو بیانی دیکھتے جاؤ

غرورِ حسن کا صدقہ کوئی جاتا ہی دُنیا سے
کسی کی خاک میں ملتی جوانی دیکھتے جاؤ

اُدھر مُنہ پھیر کر کیا ذبح کرتے ہو ادھر دیکھو
مری گردن پہ خنجر کی روانی دیکھتے جاؤ

بہارِ زندگی کا لُطف دیکھا اور دیکھوگے
کسی کا عیشِ مرگِ ناگہانی دیکھتے جاؤ

سُنے جاتے نہ تھے تم سے مرے دن رات کے شکوے
کفن سرکاؤ میری بے زبانی دیکھتے جاؤ

وہ اُٹھّا شورِ ماتم آخری دیدارِ میّت پر
اب اُٹھّا چاہتی ہی نعشِ **فانی** دیکھتے جاؤ

اُمیدِ انعامِ خاص رکھّو کرشمۂ لُطفِ عام دیکھو
نصیب تو خیر ہی جو کچھ ہی نصیب کا اہتمام دیکھو

وہ ایک رنگینیٔ نظر ہی جو سو بہاروں میں دیکھتا ہوں
مری محبّت کی خامیوں میں ادائے حسن تمام دیکھو

جو ہی وہ کیا ہی سوال یہ ہی کہ اب نگاہوں کا حال یہ ہی
جدھر نگاہیں ذرا اٹھاؤ اُدھر تمھارا ہی نام دیکھو

یہ ترکِ بیداد و قدرِ دل کیوں وفا تو اربابِ دل کی خو ہی
جفا سو تقدیرِ آرزو ہی ہٹاؤ بھی اپنا کام دیکھو

خدا سے اور پھر گھڑی گھڑی کی یہ چھیڑ اچھی نہیں ہی **فانی**
دعائیں مانگے ہی جا رہے ہو نہ صبح دیکھو نہ شام دیکھو

اب آنکھ اٹھتی ہی وہ جنبش ہوئی ہلکی سی مژگاں کو
وہ چھیڑا چاہتے ہیں نوکِ نشتر سے رگِ جاں کو

بہار آئی کہ یارب عید آئی اہلِ زنداں کو
گریباں نے گلے لپٹا لیا ہی بڑھ کے داماں کو

مرے تلووں سے کانٹوں پر نئی گلکاریاں ہوں گی
مری وحشت مبارک ہو جنونِ عیش ساماں کو

بیاباں کو یہاں سے آئے تھے کچھ خاک کے ذرّے — یہی ذرّے اُڑ ملے جائیں گے اک دن بیاباں کو
نہ آیا موسمِ گل جب دلِ دیوانہ جیتا تھا — جو اب آئے تو یارب آگ لگ جائے گلستاں کو
چھٹے جب قیدِ ہستی سے تو آئے کنجِ تربت میں — رہا ہوتے ہیں یعنی ہم بدل دیتے ہیں زنداں کو
خدا غارت کرے دل کو بڑی مشکل میں ڈالا ہے — نہ سمجھا عمر بھر ناداں فریبِ عشق آساں کو
نظر سے جب ملی ان کی نظر دل میں اُتر آئی — ہم آنکھوں سے لگا کر دل میں رکھ لیتے ہیں پیکاں کو

دلِ فانی سے گو نکلی مگر آساں نہیں نکلی
عجب شے تھی خدا بخشے امیدِ وصلِ جاناں کو

اثر پابندِ بے تابی نہیں تو ضبط بھی کیوں ہو — بلا سے حالِ دل کچھ بھی سہی ناگفتنی کیوں ہو
خدا رکھے محبت کو نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں — اجل کہتے ہیں جس کو وہ ہماری زندگی کیوں ہو
ستم کا لُطف بھی ہے امتیازِ لُطف کے دم تک — کرم بھی کیوں نہ ہو بیداد گر بیداد ہی کیوں ہو
ٹھکانا ہے سرِ تقدیر پر ہر خونِ ناحق کا — تری تلوار میرے خون میں ڈوبی ہوئی کیوں ہو
نگاہِ یاس کو روداد حسرت کہہ تو لینے دے — ترے دل کو لگے ظالم وہی دل کی لگی کیوں ہو
ہماری بے خودی منجملۂ آدابِ الفت ہے — کسی کو دیکھ کر دل روشناسِ آگہی کیوں ہو

کسی کی یاد بھی لپٹی ہوئی ہے دامنِ دل سے
مری میت پہ فانی نوحہ گر اک بیکسی کیوں ہو

گویا نہیں تغافل و تمکیں میں کوئی فرق — اتنی بھی آدمی کو امیدِ کرم نہ ہو
غم بھی گزشتنی ہے خوشی بھی گزشتنی — کر غم کو اختیار کہ گزرے تو غم نہ ہو
منظور ہر نوشتۂ تقدیر ہے مجھے — لیکن وہ جس میں حرفِ تمنا رقم نہ ہو

ہر لمحۂ حیات ہے بیگانۂ حیات
فانی حیات ہی سے عبارت عدم نہ ہو

خدا اثر سے بچائے اس آستانے کو — دعا چلی ہے مری قسمت آزمانے کو

بہار لائی ہی پیغام انقلابِ بہار
سمجھ رہا ہوں میں کلیوں کے مسکرانے کو

نہ پوچھیے کہ محبت میں مجھ پہ کیا گزری
نہ چھیڑیے مرے بھولے ہوئے فسانے کو

یہ شعبدے یہ کرشمے کسے میسر تھے
تری نگاہ نے سکھلا دیے زمانے کو

چمن میں برق نے جھانکا کہ ہم لرز اُٹھے
اب اس سے آگ ہی لگ جائے آشیانے کو

خیالِ یار بھی کھویا ہؤا سا رہتا ہی
اب ان کی یاد بھی آتی ہی بھول جانے کو

نگاہِ لطف نہ فرما نگاہِ ناز کے بعد
جگر میں آگ لگا کر نہ آ بجھانے کو

زمانہ بر سرِ آزار تھا مگر فانیؔ
تڑپ کے ہم نے بھی تڑپا دیا زمانے کو

ردیف (ہ)

تو جان مدعائے دل اور دل جگہ جگہ
ہی ایک شمع رونقِ محفل جگہ جگہ

حسرت جدا امید جدا آرزو جدا
دنیائے دل میں ہیں ترے بسمل جگہ جگہ

مٹ کر بھی داغ شاہد خون شہید ہی
دھویا ہؤا ہی دامنِ قاتل جگہ جگہ

تو نے فراقِ دل ہمیں دیوانہ کر دیا
پھرتے ہیں پوچھتے خبرِ دل جگہ جگہ

رو رو کے ایک ایک قدم بڑھ رہا ہوں میں
ہنستی ہی مجھ پہ دوریِٔ منزل جگہ جگہ

غم اصلِ کائنات ہی دل جوہرِ حیات
دل غم سے غم ہی دل سے مقابل جگہ جگہ

غربت میں سنگِ راہ کچھ آسانیاں بھی تھیں
کھاتی ہی ٹھوکریں مری مشکل جگہ جگہ

کیا پوچھتا ہی وعدہ شکن کیا ہی داغِ دل
ابھرے ہیں نقشِ وعدۂ باطل جگہ جگہ

اک سرگزشتِ درد ہی ہر ذرّہ خاک کا
پہنچی ہی داستانِ غمِ دل جگہ جگہ

اب یادگارِ فانیؔ بسمل ہی اس قدر
گلگوں ہی خاکِ کوچۂ قاتل جگہ جگہ

خود ہوش سے پیدا کر ہر لغزش مستانہ
ترک مئے و مینا کر ای جرأتِ رندانہ

دل معنئ صورت ہی اور صورت معنی بھی
فرزانے کا فرزانہ دیوانے کا دیوانہ

ہی کوئی جو منکر ہو اب شمع کی تمکیں کا
گم ہو گئی شعلوں میں خودداریٔ پروانہ

ہر کلمۂ الحق میں اک کیفِ انا بھر دوں
توبہ سے جو ٹکرا دوں الٹا ہوا پیمانہ

کچھ تذکرۂ جنّت کچھ تذکرۂ کوثر
کیا یوں بھی نہیں جائز ذکرِ مئ و میخانہ

ہر موجِ شکن سے اک طوفان بہار اٹھا
جھاڑا مری وحشت نے جب دامنِ ویرانہ

حیرت نے مجھے تیرا آئینہ بنایا ہی
اب تو مجھے دیکھا کر ای جلوۂ جانانہ

جو مومن و کافر ہیں وہ دل ہی نہیں رکھتے
دنیائے محبت میں کعبہ ہی نہ بت خانہ

فانیؔ ہی نہیں فانیؔ میں درسِ فنا بھی ہوں
افسانۂ عبرت ہوں اور عبرتِ افسانہ

دلِ فانی کی تباہی کو نہ پوچھ
الم لا متناہی کو نہ پوچھ

حسن تدبیر نہ رسوا ہو جائے
راز تقدیر الٰہی کو نہ پوچھ

ظلمت افزا ہی ظہورِ خورشید
روزِ فرقت کی سیاہی کو نہ پوچھ

زندگی جادۂ بے منزل ہی
مسلک رہبر و راہی کو نہ پوچھ

غلط انداز نگاہوں کو سنبھال
میری گستاخ نگاہی کو نہ پوچھ

اثر برق تجلّا کو سمجھ
آہ کی شعلہ پناہی کو نہ پوچھ

منع ہی لذّتِ غم بھی فانیؔ
ہمہ گیریٔ نواہی کو نہ پوچھ

ردیف (ی)

عمر بھر بیداد حسن امتحاں دیکھا کیے
مہرباں سمجھا کیے نامہرباں دیکھا کیے

ہم تمھیں دیکھا کیے اور رائگاں دیکھا کیے
اک حجاب بے حجابی درمیاں دیکھا کیے

فتنۂ دوراں کی تہ میں ایک فتنہ اور تھا
آسماں اک اور زیر آسماں دیکھا کیے

حسرت ان حرماں نصیبوں پر جو ہوش آنے کے بعد
خواب آغوش قفس میں آشیاں دیکھا کیے

جب قفس میں موسم گل کا تصوّر بندھ گیا
ہر طرف اُجڑا ہؤا اک آشیاں دیکھا کیے

عشوۂ تاثیر ضبط شوق میں سمجھا کیا
اور مری چپ کا وہ انداز بیاں دیکھا کیے

غم زدوں سے مژدۂ نظارہ کا حاصل نہ پوچھ
بزم دشمن میں نگاہِ رازداں دیکھا کیے

اُٹھ گیا پہلی نگاہوں میں حجاب حسن و عشق
ہر نظر کہتی ہی کیا کہیے کہاں دیکھا کیے

موت کی حسرت بھی کیا شی ہی کہ فانی عمر بھر
ہم جفائے ہر بلائے ناگہاں دیکھا کیے

نہیں کہ وحشتِ دل چارہ گر نہیں ہی مجھے
جنون چارۂ وحشت مگر نہیں ہی مجھے

خراب لذّتِ جاں کاہئ محبت ہوں
مآل عشق سے قطع نظر نہیں ہی مجھے

نہیں یہ مُردنِ دشوار بے سبب یعنی
یقین مژدۂ پیغام بر نہیں ہی مجھے

جنوں سہی اثر بے خودی غم نہ سہی
تمھیں خبر ہی کہ اپنی خبر نہیں ہی مجھے

نہ بار منت ناخن نہ خطرۂ سوزن
مجال بخیۂ زخم جگر نہیں ہی مجھے

یہ کیا ہی پھر کہ مجھے اک جہاں نظر آیا
خمار بادۂ وحدت اگر نہیں ہی مجھے

یہ جستجو ہی کہ ہی عالم مجاز کہاں
تلاش چشمِ حقیقت نگر نہیں ہی مجھے

ہلاک تلخیِ تاثیرِ شکوہ ہوں فانی
شکایت گلۂ بے اثر نہیں ہی مجھے

اک سرگزشت غم ہی کہ اب کیا کہیں جسے
وہ واردات قلب تمنّا کہیں جسے

اب زندگی ہی نام اس امید دور کا
ٹوٹے ہوئے دلوں کا سہارا کہیں جسے

دل حاصل حیات ہی اور دل کا ماحصل
وہ بے دلی کہ جان تمنّا کہیں جسے

کیفیت ظہور فنا کے سوا نہیں
ہستی کی اصطلاح میں دنیا کہیں جسے

صحرا کا اجتہاد ہی ذرّے کی ہر نمود
ذرّے کا اعتبار ہی صحرا کہیں جسے

کیا قہر ہی لطافت دل پر گراں نہیں
وہ پیرہن غبار تمنّا کہیں جسے

کب تک رہین ذوق تماشا رہے کوئی
اب وہ نگاہ دے کہ تماشا کہیں جسے

ہی اتصال قطرہ و دریا پہ منحصر
وہ آبروئے قطرہ کہ دریا کہیں جسے

دریوزۂ فنا مرے مسلک میں ہی حرام
درپردہ زندگی کا تقاضا کہیں جسے

فاؔنی سکون موت نے دل سے مٹا دیا
وہ نقش بے قرار کہ دنیا کہیں جسے

مشتاق خبر دار رہیں دل سے جگر سے
ملتی ہی زمانے کی نظر ان کی نظر سے

مُنہ ڈھانپ لیا جوشِ ندامت کے اثر سے
خورشید قیامت نے مرے دامن تر سے

یہ سایہ بھی اٹھا مری امید کے سر سے
مُنہ موڑ لیا آہ نے دنیائے اثر سے

دل جن سے ملے اب وہ نگاہیں نہیں ملتیں
ملنے کو تو ملتی ہی نظر ان کی نظر سے

پیکاں کے بھی ٹکڑے ہیں رفو کے بھی ہیں ٹانکے
سینہ میں دُھنواں خیر ہی اٹھتا ہی کدھر سے

امید اثر اور ان آہوں کی جو نکلیں
اللہ کا گھر پھونک کے اللہ کے گھر سے

کیا پھر ترے ناوک نے کیا عزم نوازش
لبیک کی آتی ہی صدا چاک جگر سے

عرفان محبت سے جدا دل نہیں ہوتا
لیتے ہیں یہاں فال خبر ذوق خبر سے

بیکاری وحشت میں ہم اے گریۂ وحشت
دیوار کی صورت کو ملا لیتے ہیں در سے

کس صبح کے مشتاق کا ماتم ہی کہ فاؔنی
روتی ہی گلے مل کے سحر شمع سحر سے

گریۂ جوشِ ندامت بس اب تھمنے کا تو نام نہ لے
جب تک رحمت کا ہر پہلو دل کا دامن تھام نہ لے

دل کی لا محدود فضا میں گم ہو جا یوں آپ کو ڈھونڈھ
ہوش کے بس کا روگ نہیں ہی ہوش سے تو یہ کام نہ لے

راحت کا مفہوم یہی ہی جہدِ طلب سے باز نہ آ
بڑھنے دے دل کی بے چینی تڑپے جا آرام نہ لے

لغزشِ توبہ کے ہاتھوں رندوں کا ٹھکانا تھا کوئی
مستیِ چشمِ یار اگر تو گرتے ہوؤں کو تھام نہ لے

ننگ ہی سعیِ عرضِ محبّت فرضِ محبّت پورا کر
اس کے سوا کچھ یاد نہ رکھ بھولے سے اثر کا نام نہ لے

دل تو دل ہی دل کو چین آ جانا تو آسان نہیں
درد وہ ہی جو دل میں اُٹھ کر آپ بھی پھر آرام نہ لے

ہونا ہی وہ ہو کے رہے گا مجبوری کی حد سے نہ بڑھ
بیٹھے بٹھائے اپنے سر آزادی کا الزام نہ لے

کافر صورت دیکھ کے منہ سے آہ نکل ہی جاتی ہی
کہتے کیا ہو اب کوئی اللہ کا یوں بھی نام نہ لے

حُسنِ پشیماں کو فانیؔ میّت پہ نہ دے تکلیفِ کرم
وضعِ شکستِ عشق نبھا دے دیکھ کوئی الزام نہ لے

عیشِ جہاں باعثِ نشاط نہیں ہی
خندۂ تصویر انبساط نہیں ہی

گریہ کے آداب کے حواس ہیں کس کو
ہائے کہ اب تابِ احتیاط نہیں ہی

روح کو کیوں تن سے اختلاط ہی باقی
دہر میں اب رسمِ اختلاط نہیں ہی

طاقت دل دے چکی جواب پر اب تک قوت غم رو بہ انحطاط نہیں ہی

جلوہ ترا طلسم حجابات نور ہی جو جس قدر قریب ہی اتنا ہی دور ہی
صرفِ دلِ شکستہ نہ کر نشۂ حیات اب ظرف مے نہیں کہ یہ پیمانہ چور ہی
تسلیم ہیں مجھے بھی تری بے نیازیاں یہ کیا کہوں کہ میری تمنا غیور ہی
وہ دیکھ سامنے ہیں نشیب و فراز شوق بڑھ اور دو قدم کہ یہ ایمن وہ طور ہی
گھٹنا ہی چاہتا ہی گریباں کا فاصلہ پھر دست شوق دامن جاناں سے دور ہی
ہر مژدۂ نشاط سے محروم کر دیا ارشاد ہی کہ ہجر میں جینا ضرور ہی
تجدید زندگی تو محالات سے نہیں
فانی مگر یہ ان کی مروت سے دور ہی

ہوش رہے نہ دوش کا فکر مآل رہ نہ جائے خلوت یاد یار میں کوئی خیال رہ نہ جائے
عشق ہی جب جنوں تو پھر شاد ہو ای دل حزیں کوئی گلا اٹھا نہ رکھ کوئی سوال رہ نہ جائے
وعدہ فریب ہی تو اور تند ہوائی ہوائے شوق ہاں رہِ انتظار میں گرد ملال رہ نہ جائے
تاب نظارۂ جلال حشر میں بخش کر مجھے شان جمال بھی دکھا شان جلال رہ نہ جائے
عجز اِدھر اُدھر غرور دونوں غیور سے غیور دامن مدعا سے دور دست سوال رہ نہ جائے
اب جو ہوا ہوا مآل چھوڑ خدا پہ اندمال زخم جگر پہ خاک ڈال تیر سنبھال رہ نہ جائے
جبر قبول عام کر کار فغاں تمام کر غیرت غم کو رام کر اف کی مجال رہ نہ جائے
نزع میں داد آہ دے اب نہ حیا کو راہ دے عہد کرم نباہ دے پرسش حال رہ نہ جائے
فانی زار جاں بری عشق میں مصلحت نہیں
جان وداع دل کے بعد ہو کے وبال رہ نہ جائے

مژدۂ عیش یہ تمہید پریشانی ہی للہ الحمد کہ پھر غم کی فراوانی ہی

حیرت عشق کو رکھے کوئی کیوں کر نہ عزیز
تیرے آئینہ میں تھی یہ وہی حیرانی ہی
دونوں عالم ہیں ترے سوختہ ساماں پہ نثار
چشم بد دور عجب بے سرو سامانی ہی
قطرہ کیا موج کسے کہتے ہیں کیسا گرداب
ڈوب کر دیکھ نہ دریا ہی نہ طغیانی ہی
ہاں یہ ویرانے ہی آباد بھی ہو جاتے ہیں
کوئی میرے دل برباد کی ویرانی ہی
غم دوری اثر قرب سے محروم نہیں
میرے نالوں میں بھی انداز غزل خوانی ہی

میں کہاں اور کہاں عمر دو روزہ **فانی**
زندگی اب بہ تقاضائے گراں جانی ہی

رہ جائے یا بلا سے یہ جان رہ نہ جائے
تیرا تو ای ستمگر ارمان رہ نہ جائے
جو دل کی حسرتیں ہیں سب دل ہی میں ہوں تو بہتر
اس گھر سے کوئی باہر مہمان رہ نہ جائے
ای سوز غم جلا دے ای دردِ خوں رلا دے
کچھ ان کی دل لگی کا سامان رہ نہ جائے
سب منزلیں ہوئیں طی محشر ہی اور ای دل
یہ ایک رہ گیا ہی میدان رہ نہ جائے
وہ جام کفر پرور بھر دے کہ مست کر دے
مستوں کے دل میں ساقی ایمان رہ نہ جائے

آ کر پلٹ نہ خالی ای مرگ جان لے جا
فانی کے سر پہ تیرا احسان رہ نہ جائے

اک برق سر طور ہی لہرائی ہوئی سی
دیکھوں ترے ہونٹوں پہ ہنسی آئی ہوئی سی
محضر ہی یہی قتل شہیدان وفا کا
جلاد کی چتون ہی جو شرمائی ہوئی سی
سنتا ہوں جو آتی ہو صدا پردۂ دل سے
امید کی آواز ہی تھرائی ہوئی سی
در پیش ہی پھر مسئلۂ طاقتِ دیدار
پھر کچھ نگہ شوق ہی گھبرائی ہوئی سی
اک عالم دل ہی یہی دنیا یہی فردوس
ہر شی نظر آتی ہی نظر آئی ہوئی سی
میرے دل برباد کے دھندلے سے نشاں میں
اس باغ میں کلیاں ہیں جو مرجھائی ہوئی سی
ہر سانس ہی **فانی** مجھے گویا دم آخر
سمجھا ہوں محبت میں قضا آئی ہوئی سی

ہر تصور جلوۂ صورت کا کفر انگیز ہی
خاک دل اللہ اکبر کیا ہی کافر خیز ہی

بھر کے ساقی ایک جام زہر مے آلود لا
یعنی خاکم در دہن آج آتش دل تیز ہی

ہوش کا سرمایہ وحشت کے سوا ممکن نہیں
عالم اک مجموعۂ ذرّاتِ صحرا بیز ہی

تھی شکست دل مگر تا حد آواز شکست
ٹوٹ کر بھی دل طلسم شوق یاس آمیز ہی

ہی فنا آباد غم اک معنیٔ لفظ آفریں
صورت آباد جہاں اک نقطہ معنی خیز ہی

شاید آ پہنچی ہی غم کی آخری منزل قریب
رخش ہستی کو جواب ہر سانس اک مہمیز ہی

جلوہ کیا دیکھے کوئی قدرت کسے فرصت کہاں
یاں نقاب جلوہ خود حُسنِ تماشا ریز ہی

گو نہیں جز ترکِ حسرت دردِ ہستی کا علاج
آہ وہ بیمار جو آزردۂ پرہیز ہی

مایۂ ادراک ہستی ہوں تکلّف برطرف
زندگی میری دروغِ مصلحت آمیز ہی

مرگ **فانی** کو ہی یارب آہ اب کیا انتظار
دیر سے پیمانۂ عمر وفا لبریز ہی

عہد خرد میں عشق کی رسوائیاں نہ پوچھ
آنے لگی ہی ذکر وفا سے حیا مجھے

کیوں شوخیٔ کرم یہ ازل میں بجائے دل
بخشا گیا ستم کدۂ مدعا مجھے

ہوں وہ فریب خوردۂ رہبر کہ لاکھ بار
پلٹا کے لے چلا ہی مرا نقش پا مجھے

آئینہ تھا جو نقش بدیوار ہو گیا
تم دیکھتے مجھے تو کوئی دیکھتا مجھے

گردش وہی یہاں بھی سپہر کہن میں تھی
غربت میں بھی وہی ہی جو قسمت وطن میں تھی

آزردہ کیوں ہوئے مری آشفتگی سے تم
آخر یہی تو زلف شکن در شکن میں تھی

اس کے سوا نہیں خبر آشیاں مجھے
میں تھا اسیر دام تو بجلی چمن میں تھی

بے پردہ ذکر یار ہی در پردہ یادِ یار
میری زباں پہ ہی جو دل برہمن میں تھی

بعدِ فنا بھی کم نہ ہوئیں بے قراریاں
لاشہ نہ تھا مرا کوئی بجلی کفن میں تھی

وہ گل ہو گل جسے تری خلوت میں بار تھا
وہ شمع شمع ہی جو تری انجمن میں تھی

کیوں سادگی میں طور کچھ اب بانکپن کے ہیں
کل تک تو سادگی کی ادا بانکپن میں تھی

بدلا ہؤا تھا رنگ گلوں کا ترے بغیر
کچھ خاک سی اڑی ہوئی سارے چمن میں تھی

ای یاس تونے آکے اسے بھی مٹا دیا
لذت سی کچھ جو شکوۂ رنج و محن میں تھی

لو آج مرگ فانی بے کس سے مٹ گئی
وہ اک خلش جو خاطر اہل وطن میں تھی

وہ بے خودی کے پیالے پلا دیے تو نے
میرے حواس ٹھکانے لگا دیے تو نے

گرا کے قطرۂ شبنم گلوں کے دامن پر
تجلّیات کے دریا بہا دیے تو نے

بنا کے ہجر کی راتوں کو بے نیازِ سحر
تعیّنات کے پردے اٹھا دیے تو نے

دکھا کے تجزیۂ رنگ و بو کا حُسن کمال
مشاہدات کے ٹکڑے اڑا دیے تو نے

دلوں کو دے کے فریبِ سکونِ بے آرام
تغیّرات کے نقشے جما دیے تو نے

یقینِ عشق کی ہلکی سی لہر دوڑا کر
توہمات کے شعلے بجھا دیے تو نے

عطائے نعمت و سوز و گداز کی خاطر
اذیّتوں کے خزانے لٹا دیے تو نے

سرورِ عقل غم عشق کے دوراہے پر
بڑے بڑوں کے قدم ڈگمگا دیے تو نے

حجابِ نطق کو معجز نمائیاں دے کر
نظر کی آڑ میں جادو جگا دیے تو نے

جمالِ یار کا افسانہ چھیڑ کر فانی
شعاعِ نور سے دل جگمگا دیے تو نے

ہم اپنے جی سے گزرے یوں سحر کی
شبِ غم بڑھ چلی تھی مختصر کی

تمھیں کس دل سے اپنی جان کہیے
وفا اس نے تو کی اور عمر بھر کی

اُنھیں بے چین کرنا چاہتا ہی
قضا آئی ہی کیا دردِ جگر کی

کشش کیسی کہاں کا جذبۂ دل — وہ آئے ہیں بن آئی ہی اثر کی
ہم اکثر جا کے ویرانے سے پلٹے — ہمارے گھر سے ویرانی نہ سرکی
میرا قتل اُن کے ہاتوں یہ تو باتیں — کچھ اُن کے منہ کی ہیں کچھ نامہ بر کی
تمھارے عشق کا اللہ رے فیض — جگر میں دھوم ہی دردِ جگر کی
نگاہِ شوق کے دم تک تھیں آنکھیں — اب آنکھیں یادگاریں ہیں نظر کی
اُٹھا ہاتھ اے تصوّر فاتحہ کو — یہ دل کی ہی وہ تُربت ہی جگر کی

شبِ فرقت کٹی یا عمرِ **فانیؔ**
اجل کے ساتھ آمد ہی سحر کی

ہی ہجر میں اور گردشِ ایّام نہیں ہی — یعنی جو سحر ہو بھی گئی شام نہیں ہی
آثار ہی کچھ دردِ محبّت کے بُرے تھے — آغاز ہی کہتا تھا کہ انجام نہیں ہی
ارمان نکل جائیں کہ آمد ہی کسی کی — دل ہی کوئی نظّارہ گہِ عام نہیں ہی
ہر نام میں اک شانِ تعیّن ہی بہر حال — جو نام ہی تیرا وہ ترا نام نہیں ہی
محسوب ہی کیا عُمر میں واعظ وہ گھڑی بھی — جو صرفِ صراحی و مے و جام نہیں ہی
چہرے پہ بڑھا لیجیے اتنے ہی نقاب اور — ناکامِ تماشا ابھی ناکام نہیں ہی

جیتا ہوں کہ **فانیؔ** مجھے جینا نہیں منظور
اچھا ہوں کہ اب حسرتِ آرام نہیں ہی

فصلِ گُل خیر تو ہی دشت میں دیوانوں کی — دامنوں کی خبر آئی نہ گریبانوں کی
دل کے تیور تو بجھے یاس کے چھینٹوں سے مگر — نہ بجھی آگ لگائی ہوئی ارمانوں کی
حسن مجبورِ تغافل ہی ادب شرطِ وفا — رہ گئی شرم غمِ عشق کے افسانوں کی

چشم ساقی کی وہ مخمور نگاہی توبہ
آنکھ پڑتی ہی چھلکتے ہوئے پیمانوں کی

طوق منت کے بڑھا ہوگئی منت پوری
بیڑیاں موت نے کاٹیں ترے دیوانوں کی

اب جفا ہی نہ وفا یاد وفا باقی ہی
تھی جہاں شمع وہاں خاک ہی پروانوں کی

دل میں رگ رگ سے کھنچ آئی ہیں لہو کی بوندیں
دعوتیں سینۂ **فانی** میں ہیں پیکانوں کی

حاصل بے خبری لازمۂ ہوش ہوئی
یاد تیری کسی عنوان نہ فراموش ہوئی

وہ گھڑی بھی شب بے صبح تجھے یاد ہی جب
میں بھی خاموش ہوا شمع بھی خاموش ہوئی

اللہ اللہ وہ رحمت ہی خطا کاروں پر
جو خطا ہونے سے پہلے ہی خطا پوش ہوئی

مجھ پہ الزام پرستاریٔ صورت کیا خوب
خود تری یاد ہی صورت گرِ آغوش ہوئی

سامنے آئیں جو ہوں دعوے تقوے والے
چشم ساقی کی ادا میکدہ بردوش ہوئی

وہم ہستی کا بھی احساس نہیں تیرے بغیر
زندگی ہجر میں اک خواب فراموش ہوئی

خاک دل ہی عجب اضداد کی دنیا **فانی**
منزل عشق ہوئی جلوہ گہ ہوش ہوئی

مانا حجاب دید مری بیخودی ہوئی
تم وجہ بیخودی نہیں یہ ایک ہی ہوئی

دل ہی وہ طاق غمکدۂ عمر دوش کا
رکھی ہی جس پہ شمع تمنا بجھی ہوئی

میں منزل فنا کا نشانِ شکستہ ہوں
تصویر گرد بادِ وفا ہوں مٹی ہوئی

تعمیر دل نے تجھ سے لیا انتقام عشق
تیری ہی بزم جلوہ گہ عاشقی ہوئی

آتی رہے گی خیر اب اس زندگی کی موت
یہ تو ہوا کہ موت مری زندگی ہوئی

مرحوم کس ادا کے تماشائیوں میں تھا
پھرتی ہی دل کی لاش تماشا بنی ہوئی

دنیائے دل میں پاس کی اللہ رے دار و گیر
جو آرزو کہ خلق ہوئی کشتنی ہوئی

کیجے دعا کہ اُف تو کرے دردمند عشق
اول تو دل کی چوٹ پھر اتنی دُکھی ہوئی

میرا وجود کفر - مری زندگی گناہ
ہستی کو ہوش ہوش کو لازم خودی ہوئی

یارب نوائے دل سے تو کان آشنا سے ہیں
آواز آرہی ہے یہ کب کی سنی ہوئی

لازم ہے احتیاط ندامت نہیں ضرور
لے اب چھری تو پھینک لہو سے بھری ہوئی

فانیؔ وہ میں ہوں نقطۂ موہوم اتصال
جس میں عدم کی دونوں حدیں ہوں ملی ہوئی

ذوق وحشت توبہ تو زنداں بہ زنداں چاہیے
جب گلستاں چاہیے تھا اب بیاباں چاہیے

دل لہو کر دے وہ ضبط رنج پنہاں چاہیے
ہر لہو کی بوند لیکن رہن طوفاں چاہیے

جوش جذب آرزو بے قید امکاں چاہیے
ہجر جاناں کیا بلا ہے یاد جاناں چاہیے

وہ تری عہد کرم کی فتنہ سامانی سہی
میری بربادی کو آخر کوئی ساماں چاہیے

چمکا دیا ہے رنگ چمن لالہ زار نے
شاید خزاں کو آگ لگا دی بہار نے

ہر شام شام گور ہے ہر صبح صبح حشر
کیا دن دکھائے گردش لیل و نہار نے

تربت کے پھول شام سے مرجھا کے رہ گئے
رو رو کے صبح کی مری شمع مزار نے

ہاں ہم نہ تھے فریب تمنا سے بے خبر
کیا کہیے کیا کیا دل امیدوار نے

اپنی تو ساری عمر ہی فانیؔ گزار دی
اک مرگ ناگہاں کے غم انتظار نے

دادِ خود نمائی لے وحدت تمنّا سے
آئینہ طلب فرما کثرت تماشا سے

اور ہو نہ ہو حاصل انتظار فردا سے
اُٹھ گیا محبّت کا اعتبار دُنیا سے

حشر میں وہ کیوں پوچھیں کہ نہ دوں جو نسبت ہے
شان بے نیازی کو آرزوئے رسوا سے

عشرت تجلی کی لذتیں ذرا ٹھہریں
اکتساب غم کر لوں حُسن بے تماشا سے

ان کی دل نوازی میں کوئی شک نہیں لیکن
ان کی دل نوازی کو لاگ ہے تمنّا سے

لے ترا تصوّر بھی جا کے اب نہ آئے گا — رسمِ ہوش اٹھتی ہی عاشقی کی دنیا سے
اس نظر نے چن چن کر آج پھر مٹا ڈالا — اضطراب ناپیدا ہر سکون پیدا سے
قصۂ جنوں اب تک یاد ہی مگر اتنا — انتہا ہی ذرّوں پر ابتدا ہی صحرا سے
اس جگہ کو حاصل ہی اعتبار ساحل کا — حد جہاں پہ قطرے کی مل گئی ہی دریا سے

حسن کی اداؤں کو دیکھ ہی لیا ہوتا
کام آپڑا **فانی** عشق کار فرما سے

بشر ہیں عکس موجودات عالم ہم نے دیکھا ہی — وہ دریا ہی یہ قطرہ لیکن اس قطرے میں دریا ہی
مری میت پہ ان کا طرز ماتم کس بلا کا ہی — دلِ بے مدعا سے پوچھتے ہیں مدعا کیا ہی
مری آنکھوں میں آنسو تجھ سے ہمدم کیا کہوں کیا ہی — ٹھہر جائے تو انگارہ ہی بہ جائے تو دریا ہی
کوئی دل میں نہیں آیا تو پھر یہ داغ دل کیا ہی — بتا ای عشق یہ کس جور کا نقش کفِ پا ہی
مری محرومیوں کا فیض جاری ہی رگ و پے میں — بدن میں جو لہو کی بوند ہی خون تمنا ہی
غبار رشک خارستان حسرت یاس کے منظر — ہمارے دل کی دنیا بھی کوئی دنیا میں دنیا ہی
تمھارے ظلم، طعنے غیر کے، لوگوں کے آوازے — محبت میں دلِ مجبور کو سب کچھ گوارا ہی
نظر آتے ہیں دل میں آج پھر آثار بے تابی — ہم ای امید سمجھے اس میں کچھ تیرا اشارا ہی
محبت ہی نہیں تو پاس آداب محبت کیا — وفا کی یا جفا کی جانے دو یہ ذکر ہی کیا ہی
اسی کو تم مگر ای اہل دنیا جان کہتے ہو — وہ کانٹا جو مری رگ رگ میں رہ رہ کر کھٹکتا ہی
نہ بن انجان ظالم لاکھ بے تاثیر ہوں نالے — خبر دل کی نہ ہو دل کو کہیں ایسا بھی ہوتا ہی
شب فرقت میں ہم ہر سانس سے یہ پوچھ لیتے ہیں — جگر تو خیریت سے ہی مزاج دل تو اچھا ہی

یہ کیا کہتے ہو **فانی** سے کہ تیری موت آئی ہی
تم اس ناکام کے دل سے تو پوچھو زندگی کیا ہی

مجبوری عریاں کو یہ خلعت مختاری — اللہ رے کرم ہم اور توفیق گنہگاری

فانی مرے مسلک میں ممنوع ہے ہشیاری
احساس خطا کاری ہے راز خطا کاری

امید کے دم سے ہے امید کے دم تک ہے
ارباب تمنا پر احسان دل آزاری

آساں ہوئی منزل آثار مبارک ہوں
اب پانو نہیں اُٹھتے اب راہ ہوئی بھاری

وہ ایک اچٹتی سی قاتل کی نظر توبہ
دم توڑ دیا دل نے گو زخم نہ تھا کاری

خوش ہوں کہ ترے غم میں جیتا ہوں نہ مرتا ہوں
جینا ہے ہوس کوشی مرنا ہے ریا کاری

تم سے مجھے امیدیں کیا عفو کے قابل ہیں
میں ہی تمھیں دیتا ہوں تکلیف ستمگاری

سرکار محبت سے فرمان سکوں آیا
گزری حد شورش سے جب شورش بیداری

فانی مری وحشت نے پھر شکل بدل ڈالی
پھر بخیۂ دامن میں مصروف ہے بے کاری

کیا ہوا باندھی ہے صدقے نالۂ شبگیر کے
آسماں پر اکھڑے جاتے ہیں قدم تاثیر کے

بے مروت بن کے اب کیا سوئے صحرا جایئے
لوٹتے ہیں پانو پر حلقے مری زنجیر کے

ضبط باقی غم سلامت ہے تو سن لینا کبھی
آہ گھبرا کر نکل آئی کلیجہ چیر کے

وصل سے محروم میں ہوں ورنہ گستاخی معاف
بوسے لیتا ہے تصور آپ کی تصویر کے

مجھ کو مضطر دیکھ کر کہتا ہے قاتل پیار سے
آ ادھر سایہ میں سو جا دامن شمشیر کے

ساتھ جائے گا مری میت کے سامان خلش
دل میں رکھ چھوڑے ہیں پیکاں میں نے تیرے تیر کے

میرے مرتے ہی دل بے تاب کو چین آگیا
زندگی صدقے میں اتری گردش تقدیر کے

سعی درماں بے اثر فکر دوا بے فائدہ
زخم دل اے چارہ گر قائل نہیں تدبیر کے

یاس کے آتے ہی ارماں دل سے یہ کہہ کر چلے
ہم نہیں ساتھی تری بگڑی ہوئی تقدیر کے

دیکھیے کیا ہو وہ اور آزردگی بے سبب
ہم خطا ناکردہ خوگر عذر بے تقصیر کے

دیکھ فانی وہ تری تدبیر کی میّت نہ ہو
اک جنازہ جا رہا ہے دوش پر تقدیر کے

وقت اتنا کب بقدر فرصت یک سجدہ ہی — ہم ہیں اور عمر ابد اور حسرت یک سجدہ ہی
تیری بزم ناز میں اس دل کو دیکھا چاہیے — جو ز سرتا پا خراب رخصت یک سجدہ ہی
وجہ پامالی ہی شاید عذر گستاخی بھی ہو — سنگ در اور سر میں باہم نسبت یک سجدہ ہی
حاصل خلقت ہی تعبیر جبین سجدہ ریز — شان تکوین دو عالم دعوت یک سجدہ ہی
جاں فزا ہی شعلہ زارِ سوزِ فرقت کی بہار — اس جہنم کو میسر جنت یک سجدہ ہی

تاکید ہی کہ دیدۂ دل وا کرے کوئی — مطلب یہ ہی کہ دور سے دیکھا کرے کوئی
آتے ہی تیرے وعدۂ فردا کا اعتبار — گھبرا کے مر نہ جائے تو پھر کیا کرے کوئی
وہ جلوہ بے حجاب سہی ضد کا کیا علاج — جب دل میں رہ کے آنکھ سے پردا کرے کوئی
کہتے ہیں حسن ہی کی امانت ہی درد عشق — اب کیا کسی کے عشق کا دعویٰ کرے کوئی
خالی ہی بزم ذوق طلب اہل ہوش سے — اتنا نہیں کہ تیری تمنّا کرے کوئی
وہ درد دے کہ موت بھی جس کی دوا نہ ہو — اس دل کو موت دے جسے اچھا کرے کوئی

فانیؔ دعائے مرگ کی تکرار کیا ضرور
غافل نہیں کہ ان سے تقاضا کرے کوئی

گردش ایام فانیؔ شرح دور شام ہی — صبح کہتے ہیں جسے وہ شام کا پیغام ہی
عہد پاک عشق میں کل تک ہوس گمنام تھی — آج اس دورِ ہوس میں عاشقی بدنام ہی
آہ اس معمورۂ عالم کی ویرانی نہ پوچھ — ہم ہیں تیری یاد ہی آگے خدا کا نام ہی
آنکھ پھر بھی منتظر ہی دل ہی پھر بھی مضطرب — خاص ہی تیری تمنا اور تماشا عام ہی

وعدۂ معلوم کا **فانیؔ** کہاں تک انتظار
زندگی کا موت سے پہلے بھی کچھ انجام ہی

ابتدائے عشق ہی لطف شباب آنے کو ہی — صبر رخصت ہو رہا ہی اضطراب آنے کو ہی

قبر پر کس شان سے وہ بے نقاب آنے کو ہے
آفتاب صبح محشر ہم رکاب آنے کو ہے

مجھ تک اس محفل میں پھر جام شراب آنے کو ہے
عمر رفتہ پلٹی آتی ہے شباب آنے کو ہے

ہائے کیسی کشمکش ہے یاس بھی ہے آس بھی
دم نکل جانے کو ہے خط کا جواب آنے کو ہے

ناامیدی موت سے کہتی ہے اپنا کام کر
آس کہتی ہے ٹھہر خط کا جواب آنے کو ہے

بھر کے ساقی جام مے اک اور لا اور جلد لا
ان نشیلی انکھڑیوں میں پھر حجاب آنے کو ہے

خانۂ تصویر میں آنے کو ہے تصویر یار
آئینہ میں قد آدم آفتاب آنے کو ہے

اب کے سوئے کیا اٹھیں گے فتنۂ محشر سے ہم
صبح محشر کے قریب آنکھوں میں خواب آنے کو ہے

دیکھیے موت آئے **فانیؔ** یا کوئی فتنہ اٹھے
میرے قابو میں دل بے صبر و تاب آنے کو ہے

اٹھ اے نگاہ شوق اٹھ متاع جاں لیے ہوئے
وہ دامن نگاہ میں ہیں بجلیاں لیے ہوئے

فلک کی ساری پستیاں سپرد قلب خاک ہیں
زمیں کی ساری رفعتیں ہیں آسماں لیے ہوئے

حجاب روزگار میں جھلک ہے یاد یار کی
نشاط آشکار ہے غم نہاں لیے ہوئے

وصال ہو کہ ہجر ہو حیات ہو کہ موت ہو
ہر اعتبار عشق ہے پیام جاں لیے ہوئے

بنائے غم کی خیر ہو کہ آج آہ واپسیں
چلی ہے دل کی وادیوں سے آندھیاں لیے ہوئے

نہ پوچھ عہد ہوش کو کہ دامنوں کی آڑ میں
پھرا کیا ہوں دامنوں کی دھجیاں لیے ہوئے

فنائے ذات نام ہے لطافت حیات کا
غبار راہ کارواں ہے کارواں لیے ہوئے

ترے کرم سے کیا سماں ہے عالم گناہ کا
سیاہیاں امید کی تجلیاں لیے ہوئے

وہی ہوں میں جو تو نہیں وہی ہے تو جو میں نہیں
ترا ہر ایک نام ہے مرا نشاں لیے ہوئے

دلیل فتح عاشقی نوید صد شکست ہے
امانت بہار ہے مری خزاں لیے ہوئے

یہ ہستی دو روزہ گویا کہ نہیں فانی
اللہ رے ترا اے دل انداز پریشانی

تعبیر اجل نے دی اس خوابِ پریشاں کی
ہم مر کے تجھے سمجھے ای ہستیٔ انسانی

کیوں کر میں کہوں تم نے آئینہ نہیں دیکھا
بے وجہ نہیں ہرگز آئینہ کو حیرانی

سن میری خموشی سے افسانۂ غم میرا
دزدیدہ نگاہی سے کر پرسشِ پنہانی

کیا ہم شبِ وصل ان سے فرقت کا گلہ کرتے
تھی رات بہت تھوڑی اور بات تھی طولانی

یاں میرے قدم سے ہی ویرانے کی آبادی
واں گھر میں خدا رکھے آباد ہی ویرانی

پھر خواب میں طوق آیا زنجیر نظر آئی
در پردہ ہی وحشت کی پھر سلسلہ جنبانی

مانا کہ غمِ جاناں غارت گرِ ساماں ہی
رکھا ہی یہاں کیا ہی جز بے سر و سامانی

مشکل مرے مرنے کی مشکل ہی کہ آساں ہو
کچھ نازکیٔ قاتل کچھ اپنی گراں جانی

فانیؔ وہ بلاکش ہوں غم بھی مجھے راحت ہی
میں نے غمِ راحت کی صورت بھی نہ پہچانی

ای موت تجھ پہ عمرِ ابد کا مدار ہی
تو اعتبارِ ہستیٔ بے اعتبار ہی

عہدِ ازل پہ زندگیوں کا مدار ہی
عالم تمام غم کدۂ اعتبار ہی

ذرّات چشمِ شوق ہیں آمادۂ نگاہ
محرومیوں کو اب بھی ترا انتظار ہی

بیداد کا گلہ تو کروں اور جو وہ کہیں
یہ کہیے امتحانِ وفا ناگوار ہی

اک یہ وفا کہ ننگِ غمِ دوست ہی ہنوز
اک وہ ستم کہ حسن کا آئینہ دار ہی

تمیزِ حسن و عشق نہ عرفانِ غم مگر
اک تیر بے پناہ کلیجے کے پار ہی

دیکھیں خرامِ ناز کی محشر طرازیاں
ہر ذرّے پر سکونِ فنا بے قرار ہی

مختار ہوں کہ معترفِ جبرِ دوست ہوں
مجبور ہوں کہ یہ بھی کوئی اختیار ہی

اب کس کو اعتبار کہ تو بے وفا نہیں
اب کس کو انتظار مگر انتظار ہی

باقی نہیں کسی کو نشاطِ جنوں کا ہوش
کس جوش پر شبابِ غمِ روزگار ہی

آدابِ عاشقی کا تقاضا ہی اور بات
تو ورنہ دل کی آڑ میں خود بے قرار ہی

ہو گی کسی کو فرصت نظّارۂ جمال
فانیؔ خراب حسن تماشائے یار ہی

متاع جلوہ تحیر ہی مجھ کو سکتا ہی — دل آئینہ ہی کہ منہ آئینہ کا تکتا ہی
حجاب زعم تماشا اٹھا تو کچھ دیکھوں — رہی نگاہ یہ پردہ تو اُٹھ بھی سکتا ہی
وہ دل میں ہوک سی اٹھی وہ مجھ کو ہوش آیا — وہ درد جس کی دوا تو ہی پھر چمکتا ہی
امید و بیم پہ ہی ہستی بشر موقوف — کہ جا کے دم پلٹ آتا ہی دل دھڑکتا ہی
خفا نہ ہو تو یہ پوچھوں کہ تیری جان سے دور — ۴ جو تیرے ہجر میں جیتا ہی مر بھی سکتا ہی
اجل! بس ایک ہی کانٹا نکال کر چل دی؟ — ٹھہر کہ خارِ تمنّا ابھی کھٹکتا ہی

حدود غم سے غم عشق بڑھ چلا فانیؔ
وہ جام عمر کہ لبریز تھا چھلکتا ہی

کیا جانیے کہاں تک تمہید زندگی ہی — یہ زندگی تو اب تک امید زندگی ہی
حرماں نصیب ہوں اور مجبور آرزو بھی — محروم زندگی کو تاکید زندگی ہی
امید مضطرب ہی ہر آرزو کی منزل — ہر سانس شام وعدہ تجدید زندگی ہی
کچھ شرح بیخودی ہی کچھ ہوش کا فسانہ — یہ بے حسی جو شاید تنقید زندگی ہی
مرنے کی آرزو میں عمریں گزار دی ہیں — ارباب دل کی ہستی تقلید زندگی ہی
اسرار زندگی کو سمجھوں تو کیا سمجھ لوں — جس زندگی کو دیکھا تردید زندگی ہی

احساس زندگی ہی مرہون عشق فانیؔ
پیغام موت گویا تائید زندگی ہی

عشق نے دل میں جگہ کی تو قضا بھی آئی — درد دنیا میں جب آیا تو دوا بھی آئی
دل کی ہستی سے کیا عشق نے آگاہ مجھے — دل جب آیا تو دھڑکنے کی صدا بھی آئی
صدقے اتریں گے اسیران قفس چھوٹے ہیں — بجلیاں لے کے نشیمن پہ گھٹا بھی آئی

ہاں نہ تھا باب اثر بند مگر کیا کہیے
آہ پہنچی تھی کہ دشمن کی دعا بھی آئی

آپ سوچا ہی کیے اس سے ملوں یا نہ ملوں
موت عشاق کو مٹی میں ملا بھی آئی

لو مسیحا نے بھی اللہ نے بھی یاد کیا
آج بیمار کو ہچکی بھی قضا بھی آئی

دیکھ یہ جادۂ ہستی ہے سنبھل کر فانی
پیچھے پیچھے وہ دبے پانو قضا بھی آئی

مضمحل سعی چارہ گر نہ ہوئی
اور شفا قصہ مختصر نہ ہوئی

ترک تدبیر کو بھی دیکھ لیا
یہ بھی تدبیر کارگر نہ ہوئی

یوں ملی ہر نگاہ سے وہ نگاہ
ایک کی ایک کو خبر نہ ہوئی

اللہ اللہ یہ حسن پرسش حال
کہ مرے حال پر نظر نہ ہوئی

ہجر کے بھی ہزار پہلو تھے
یوں بھی اک وضع پر بسر نہ ہوئی

صبح ہوتی نہیں ہماری شام
ورنہ کس شام کی سحر نہ ہوئی

آج تسکین درد دل فانی
وہ بھی چاہا کیے مگر نہ ہوئی

مر کر مریض غم کی وہ حالت نہیں رہی
یعنی وہ اضطراب کی صورت نہیں رہی

ہر لمحۂ حیات رہا وقف کار شوق
مرنے کی عمر بھر مجھے فرصت نہیں رہی

اک نالۂ خموش مسلسل ہے اور ہم
یادش بخیر ضبط کی طاقت نہیں رہی

یوں مٹ گئی وفا کہ زمانہ کا ذکر کیا
اب دوست سے بھی کوئی شکایت نہیں رہی

وہ عہد دل فریبیٔ تاثیر اب کہاں
مدت سے آہ آہ کی حسرت نہیں رہی

ان کے تو دل سے نقش کدورت بھی مٹ گیا
ہم شاد ہیں کہ دل میں کدورت نہیں رہی

دل اور ہوائے سلسلہ جنبانیٔ نشاط
کیوں پاس وضع غم تجھے غیرت نہیں رہی

اے درد عشق اب تو خدا کے لیے نہ چھیڑ
دل میں کراہنے کی بھی طاقت نہیں رہی

ہر بے گنہ سے وعدۂ بخشش ہی روزِ حشر | گویا گناہ کی بھی ضرورت نہیں رہی
ای عرضِ شوق مژدہ کہ دل چاک ہو گیا | تکلیف پردہ داریٔ حسرت نہیں رہی
پتھرا گئی تھی آنکھ مگر بند تو نہ تھی | اب یہ بھی انتظار کی صورت نہیں رہی
عبرت نے بےکسی کا نشاں بھی مٹا دیا | اُڑتی تھی جس پہ خاک وہ تربت نہیں رہی
محشر میں بھی وہ عہدِ وفا سے مکر گئے | جس کی خوشی تھی اب وہ قیامت نہیں رہی
کس منہ سے غم کی ضبط کا دعوے کرے کوئی | طاقت بقدرِ حسرتِ راحت نہیں رہی

فانی امیدِ مرگ نے بھی دے دیا جواب
جینے کی ہجر میں کوئی صورت نہیں رہی

پا لیا ذوقِ طلب نے ماورائے دل مجھے | جب مجھے منزل نے کھویا مل گئی منزل مجھے
یادِ عہدِ بیخودی جب تو ہی تو تھا میں نہ تھا | وہ بھی دن تھے جب کوئی مشکل نہ تھی مشکل مجھے

فطرتِ غم رفتہ رفتہ میری فطرت بن گئی
اضطرابِ دل ہی فانی اضطرارِ دل مجھے

اب لب پہ وہ ہنگامۂ فریاد نہیں ہی | اللہ رے تری یاد کہ کچھ یاد نہیں ہی
آتی ہی صبا سوئے لحد اُن کی گلی سے | شاید مری مٹی ابھی برباد نہیں ہی
اللہ بچائے اثرِ ضبط سے اُن کو | بیداد تو ہی شکوۂ بیداد نہیں ہی
آمادۂ فریاد رسی ہی وہ ستم گر | فریاد کہ اب طاقتِ فریاد نہیں ہی

دنیا میں دیارِ دلِ فانی کے سوا ہائے
کوئی بھی وہ بستی ہی جو آباد نہیں ہی

مجبورِ شکایت ہوں تاثیر کو کیا کہیے | تدبیر مقدر تھی تقدیر کو کیا کہیے
فردوس بداماں ہی ہر نقشِ خیال اُن کا | یہ شانِ تصوّر ہی تصویر کو کیا کہیے
وابستۂ صد حسرت بے واسطۂ دل ہوں | اپنا ہی میں زنداں ہوں زنجیر کو کیا کہیے

وہ برق کی یورش ہی ہر شاخ میں لرزش ہی
ایسے میں نشیمن کی تعمیر کو کیا کہیے

سنتے ہیں حجاب ان کا عرفان تمنا ہی
اب حرف تمنا کی تعبیر کو کیا کہیے

یارب تری رحمت سے مایوس نہیں فانیؔ
لیکن تری رحمت کی تاخیر کو کیا کہیے

مانا کہ بات وعدۂ فردا پہ ٹل گئی
اور بے وفا جو کل بھی نہ یہ آج کل، گئی

اس خانہ خراب کی بربادیاں نہ پوچھ
یادش بخیر آہ بھی دل سے نکل گئی

تم کیوں گئے تھے آئینہ خانہ میں بے حجاب
اچھا ہُوا کہ شرم و شرارت میں چل گئی

کچھ کہ کے چارہ ساز نے تسکین دی تو ہی
سنتا تو ہوں کہ اب مری حالت سنبھل گئی

آتی ہی خاک جادۂ ہستی سے بوئے دل
کس آرزو بھرے کی تمنا کچل گئی

دل کیوں شب فراق تڑپ کر ٹھہر گیا
کیوں اضطراب کیا تری صورت بدل گئی

تعمیر آشیاں کی ہوس کا ہی نام برق
جب ہم نے کوئی شاخ چنی شاخ جل گئی

اللہ رے نوک نشتر غم کی لگاوٹیں
اک اک لہو کی بوند پہ ظالم مچل گئی

فانیؔ کے دل سے آیۂ لاتقنطوا کے بعد
زاہد وہ دل فریبیٔ حسن عمل گئی

طبیعت رفتہ رفتہ غم کی خوگر ہوتی جاتی ہی
جفا کم کر جفا اب روح پرور ہوتی جاتی ہی

مری ہر معصیت ہی مطلع انوار صد رحمت
فضائے دل گناہوں سے منور ہوتی جاتی ہی

خدا چاہے تو اب ایماں پرستی کا رواج اٹھے
وہ چشم سر بسر تسخیر کافر ہوتی جاتی ہی

محبت کی خلش کا دیکھیے انجام کیا ٹھہرے
تکلف بر طرف ہر سانس نشتر ہوتی جاتی ہی

زباں صرف دعائے مرگ ہی کوئی دعا مانگوں
مری تدبیر بھی میرا مقدر ہوتی جاتی ہی

امید التفات کو رسوا نہ کیجیے
لازم نہیں کہ خون تمنا نہ کیجیے

شرمندہ وہم رشک سے اتنا نہ کیجیے — آئینہ دیکھ کر مجھے دیکھا نہ کیجیے
اندیشہ عیش خواب لحد کا نہ کیجیے — ہنگام نزع وعدۂ فردا نہ کیجیے
دیکھو جو وقت پرسش جاناں نہ بھول جائیں — ٹھانی تو ہے کہ عرض تمنا نہ کیجیے
سرکار پاس وضع جفا چاہتا ہوں میں — یہ بھی اگر وفا ہے تو اچھا نہ کیجیے
کیا فرض تھی نگاہ مکرر ازل کے بعد — یہ جان ہے یہ دل ہے تقاضا نہ کیجیے

فانی بلائے مرگ سے غم کیجیے غلط
اب جستجوئے راحت دنیا نہ کیجیے

جبیں صرف سجود بے جبیں معلوم ہوتی ہے — طبیعت بے نیاز کفر و دیں معلوم ہوتی ہے
نگاہ ناز و سوز عشق دونوں ایک ہیں لیکن — کہیں ہوتی ہے یہ بجلی کہیں معلوم ہوتی ہے
مٹا ہی چاہتا ہے امتیاز صبر و بے تابی — تمنا اب تمنا آفریں معلوم ہوتی ہے
نہیں معلوم راہ شوق میں ہے بھی کوئی منزل — جہاں تھک کر نظر ٹھہرے وہیں معلوم ہوتی ہے
بحمد اللہ کہ تاثیر فغاں بر روئے کار آئی — کہ اب ہر آہ آہ واپسیں معلوم ہوتی ہے
لہو روتا ہوں اس انجام سے غافل کی حالت پر — محبت جس کے دل میں جاگزیں معلوم ہوتی ہے
عجب عالم ہے موج برق کے پہلو میں بادل کا — تری الٹی ہوئی سی آستیں معلوم ہوتی ہے
مری ہستی کہ ہے بھی اور نہیں بھی ہے خدا رکھے — ترے پیمان باطل کا یقیں معلوم ہوتی ہے

زمین حشر فانی کیا قیامت ہے معاذ اللہ
مجھے اپنے وطن کی سی زمیں معلوم ہوتی ہے

کارواں گزرا کیا ہم رہ گزر دیکھا کیے — ہر قدم پر نقش پائے راہبر دیکھا کیے
ترک بیداد آہ اک تمہید تھی بیداد کی — دل جلا کر میرے نالوں کا اثر دیکھا کیے
دردمندان وفا کی ہائے رے مجبوریاں — درد دل دیکھا نہ جاتا تھا مگر دیکھا کیے
یاس جب چھائی امیدیں ہاتھ مل کر رہ گئیں — دل کی نبضیں چھٹ گئیں اور چارہ گر دیکھا کیے

رُخ مری جانب نگاہ لطف دشمن کی طرف ۔۔۔ یوں اُدھر دیکھا کیے گویا اِدھر دیکھا کیے
تو کہاں تھی ای اجل ای نامرادوں کی مراد ۔۔۔ مرنے والے راہ تیری عمر بھر دیکھا کیے

زیست تھی فانیؔ بقدر فرصت تمہید شوق
عمر بھر ہم پرتوِ نورِ بشر دیکھا کیے

مجبوریٔ مشکور کی تصویر دکھا دے ۔۔۔ ای دست کرم پردۂ تدبیر اٹھا دے
حد کفر غم ہوش کی ایماں سے ملا دے ۔۔۔ اس ہستیٔ موہوم کو توفیق فنا دے
آداب طلب سیکھ طلب بے ادبی ہی ۔۔۔ مجرم ہی وہ سائل جو درِ دل پہ صدا دے
جو سوز محبت سے ہوا سرد وہ دل ہوں ۔۔۔ وہ شمع ہوں جس کو پر پروانہ بجھا دے

نسبت کرم دوست سے آساں نہیں فانیؔ
ناکام تو ہی ذوق تمنا کو دعا دے

ذرّہ ذرّہ تربت فانیؔ کا شیون جوش ہی ۔۔۔ اس صفت ماتم میں اک شمع لحد خاموش ہی
پھیرے میت کی جانب سے نگاہ التفات ۔۔۔ سیکڑوں شکووں کے نرغے میں لب خاموش ہی
وصل ہو یا ہجر دونوں ہیں مرے مشرب میں کفر ۔۔۔ شوق وحدت آشنا بیگانۂ آغوش ہی
طور تو ہی ربِّ اَرِنی کہنے والا چاہیے ۔۔۔ لن ترانی ہی مگر نا آشنائے گوش ہی
اک طلسم فیض ہی سینے میں سوز دل کی ذات ۔۔۔ بے تکلف ہر نفس اک شعلۂ خس پوش ہی
راز آزادی فقط تیرے اسیروں پر کھلا ۔۔۔ جو ترے قدموں پہ سر ہی بے نیاز دوش ہی

زندگی خود کیا ہی فانیؔ یہ تو کیا کہیے مگر
موت کہتے ہیں جسے وہ زندگی کا ہوش ہی

دل معرفت شوق سے بیگانہ بنا دے ۔۔۔ دیوانۂ ہشیار کو دیوانہ بنا دے
ہر جلوۂ محسوس کو مرہونِ نظر کر ۔۔۔ اس بزم میں ہر شمع کو پروانہ بنا دے
پھر اک نگہ مست کہ بے کیف ہی عالم ۔۔۔ میخانہ بیک گردش پیمانہ بنا دے

آ اور دلِ برباد میں اک حشر بپا کر / جا اور دلِ آباد کو ویرانہ بنا دے
حیرت کدۂ ناز میں دل بھی ہو نظر بھی / اب دوست جسے آپ سے بیگانہ بنا دے
یک رنگیِ دل لازم صد رنگ جنوں کر / کعبہ کی بنا ڈال کے بت خانہ بنا دے
قربان تری شانِ حکیمانہ پہ ہر بات / اب بات بہ انداز کریمانہ بنا دے
اک بوند لہو کی ہے تو یہ حال ہے دل کا / وہ موجِ تبسم کہیں دریا نہ بنا دے

افسانۂ دل یوں کوئی سنتا نہیں فانی
اب موت کسی دن مجھے افسانہ بنا دے

مجھے قسم ہے ترے صبر آزمانے کی / کہ دل کو اب نہیں برداشت غم اٹھانے کی
ترا اسیر ہوں چاہے تو ذبح کر صیاد / نہ توڑ دل کہ امانت ہے آشیانے کی
خیالِ یار ہے اک حسن و عشق کی دنیا / مری نگاہ میں ہیں گردشیں زمانے کی
زبانِ حال ٹھہر داستانِ عشق نہ چھیڑ / کہ خوابِ مرگ ہے تاثیر اس فسانے کی
گلہ ضرور نہیں حال بیخودی معلوم / تمھاری یاد کو عادت ہے بھول جانے کی
نہ دل کے ظرف کو دیکھو نہ طور کو دیکھو / بلا کی دھن ہے تمھیں بجلیاں گرانے کی
نہ سانس کا ہے بھروسہ نہ آہ میں تاثیر / وہ کیا پھرے کہ ہوا پھر گئی زمانے کی
نہ بن پڑا کوئی عذرِ جفا کسی سے تو ہائے / ادا وہ یاد ہے گھبرا کے روٹھ جانے کی

جبین درد ہے بے تاب سجدہ ای فانی
کدھر ہے خاک ترے دل کے آستانے کی

ادھر نہ دیکھ مجھے بے قرار رہنے دے / مری نظر میں مرا اعتبار رہنے دے
بقیدِ حشر بھی عہدِ وفائے عہد نہ کر / خرابِ شوق کو امیدوار رہنے دے
نویدِ زندگیِ دل کی تاب سہل نہیں / ابھی کچھ اور مجھے سوگوار رہنے دے
یقینِ لطف میں گم کر نہ لذتِ بیداد / جو ہو سکے تو غمِ انتظار رہنے دے

ادا سے آڑ میں خنجر کے منہ چھپائے ہوئے
مری قضا کو وہ لائے دُلھن بنائے ہوئے

الٰہی کیوں نہیں ہوتی کوئی بلا نازل
اثر ہی دیر سے دست دعا اٹھائے ہوئے

تری لگائی ہوئی آگ حشر تک نہ بجھی
ہوئے نہ مر کے بھی ٹھنڈے ترے جلائے ہوئے

بلائے جان ہی مگر پھر بھی آرزو ہی تری
ہم اس کو اپنے کلیجے سے ہیں لگائے ہوئے

سحر ہوئی کہ وہ یادش بخیر آتا ہی
چراغ ہیں مری تربت کے جھلملائے ہوئے

تمھیں کہو تمھیں اپنا سمجھ کے کیا پایا
مگر یہی کہ جو اپنے تھے سب پرائے ہوئے

کسی کا ہائے وہ مقتل میں اس طرح آنا
نظر بچائے ہوئے آستیں چڑھائے ہوئے

اجل کو مژدۂ فرصت کہ آج **فانیٔ** زار
امید وصل سے بیٹھا ہی لو لگائے ہوئے

جینے کی ہی امید نہ مرنے کا یقیں ہی
اب دل کا یہ عالم ہی نہ دنیا ہی نہ دیں ہی

گم ہیں رہ تسلیم میں طالب بھی طلب بھی
سجدہ ہی دربار ہی سجدہ ہی جبیں ہی

کچھ مظہر باطن ہوں تو کچھ محرم ظاہر
میری ہی وہ ہستی ہی کہ ہی اور نہیں ہی

ایذا کے سوا لذت ایذا بھی ملے گی
کیوں جلوہ گہ ہوش یہاں دل بھی کہیں ہی

مایوس سہی حسرتیٔ موت ہوں **فانی**
کس منہ سے کہوں دل میں تمنا ہی نہیں ہی

رابطۂ جسم وجاں دیکھیے کب تک رہے
زیست کا ہم پر گماں دیکھیے کب تک رہے

میری گراں جانیاں مجھ سے جدا ہوں نہ ہوں
سعیٔ الم رائگاں دیکھیے کب تک رہے

دیکھیے کب تک مٹے سینۂ **فانی** کا داغ
تربت دل کا نشاں دیکھیے کب تک رہے

بعد فانی نہ رہا مصرف زنداں کوئی
دست وحشت میں ہی دامن نہ گریباں کوئی

یہ تو معلوم نہیں کیا ہی یہ دنیا لیکن
صرف صد رقص ہی صورت کدۂ جاں کوئی

میری ویرانیٔ دل ہی کہیں رسوا کہیں راز
کوئی ذرّہ ہی یہاں اور نہ بیاباں کوئی

کون ہی میرے سوا فیض چمن سے محروم
گل بداماں ہی کوئی خار بداماں کوئی

ہائے اس بزم میں وہ شوق و تحیر کا ہجوم
دل بے تاب کوئی دیدۂ حیراں کوئی

تو بھی کر دے غلطی ہائے محبت کو معاف
آ کہ امید وفا پر ہی پشیماں کوئی

برق نے میرے قفس کو بھی نشیمن سمجھا
آہ ایسا بھی نہ ہو سوختہ ساماں کوئی

نہ ملی خلق سے مظلومیٔ دل کی کوئی داد
میری قسمت میں نہ تھا جور نمایاں کوئی

مجھ سے مطلب نہ سہی کاش میسر ہو تجھے
حُسن تغییر بھی ای گردش دوراں کوئی

عمر سب نزع کے عالم ہی میں گزری فانیؔ
زندگی کا نہ ہوا موت پہ احساں کوئی

غم مجسم نظر آیا تو ہم انساں سمجھے
برق جب جسم سے وابستہ ہوئی جاں سمجھے

شوق کی گرمیٔ ہنگامہ کو وحشت جانا
جمع جب خاطر وحشت ہوئی ارماں سمجھے

حکم وحشت ہی کہ زنداں کو بھی صحرا جانو
دل وہ آزاد کہ صحرا کو بھی زنداں سمجھے

فانیؔ اس عالم ظاہر میں سراپا غم تھا
چھپ گیا خاک میں تو ہم غم پنہاں سمجھے

زندگی کی ہر خلش ہی یاد جاناں کے لیے
ہر نفس اک آڑ ہی اس رنج پنہاں کے لیے

اشک رنگیں کے سوا ہی خون دل بھی نذر دوست
ان میں جو درکار ہو تزئین داماں کے لیے

موج کیا گرداب کیسا کیوں کسی کا نام لوں
خود سفینہ ہی مرا دعوت ہی طوفاں کے لیے

کم ہی ذرّے سے بھی یہ سارا نظام کائنات
دل کی وسعت چاہیے تھی چشم حیراں کے لیے

ایک مرگ عاشقی اور لاکھ سامان حیات
لاکھ غم تھے اک حیات مرگ ساماں کے لیے

پھر ہوا گور غریباں میں بگولوں کا ہجوم
خاک دل اٹھتی ہی تنظیم بیاباں کے لیے

پھر مذاق اہل دانش چاہتا ہی انقلاب
پھر مری وحشت نے بوسے باب زنداں کے لیے

دل کی یہ شوریدگی شب ہائے غم اتنی دراز
اہتمام اتنے تری زلفِ پریشاں کے لیے

دین و دل فانیؔ گنوائے بھی تو ناداں اس طرح
دشمنِ ایماں کی خاطر دشمنِ جاں کے لیے

نصیب ہو بھی تو کیا لطفِ وصلِ یار میں ہی
سوائے عیش سو تقدیر انتظار میں ہی

فلک نے یوں تو جو چاہا کیا ستم تو یہ ہی
شمارِ دل بھی ستم ہائے بے شمار میں ہی

قضا پہ اب ہی مری زندگی کا دار و مدار
سو وہ بھی ان کی اداؤں کے اختیار میں ہی

عزیز خاطرِ فطرت ہی جانِ عبرت ہی
ہر ایک ذرّہ جو اس عالمِ غبار میں ہی

سرشتِ برق سرِ غیر ہو خدا نہ کرے
وہ اضطراب کہ جانِ امیدوار میں ہی

گناہگار کی حالت ہی رحم کے قابل
غریب کشمکشِ جبر و اختیار میں ہی

حریفِ سوزِ نہاں تو نہیں مگر پھر بھی
بلا کی آگ اس آہِ شرارہ بار میں ہی

ہماری لاش مرقع ہی بے قراری کا
اک اضطراب کی صورت بھی اس قرار میں ہی

چمن سے رخصت فانیؔ قریب ہی شاید
کچھ اب کے بوئے کفن دامنِ بہار میں ہی

آہ سے یا آہ کی تاثیر سے
جی بہل جاتا کسی تدبیر سے

اب سے غم سہنے کی عادت ہی سہی
صلح کر لیں لاؤ چرخِ پیر سے

جبر کو کیوں کر نہ سمجھوں اختیار
تم نے باندھا ہی مجھے زنجیر سے

کام اب تدبیر پر ہی منحصر
واسطہ جس کو نہ ہو تقدیر سے

اس نگاہِ ناز کا اللہ رے فیض
نسبتیں ہیں زخمِ دل کو تیر سے

ہوشیار او شوخِ بے پروا خرام
بچ کے میری خاکِ دامن گیر سے

عشق فانیؔ اس پہ اپنی یہ بساط
کھیلتی ہیں بجلیاں تصویر سے

کیا کیا نہ اس نے کام لیا اک حجاب سے
اکثر صفیں نظر کی الٹ دیں نقاب سے

دل کیا ہی پوچھ اپنے رُخ بے نقاب سے
شاید نشان ذرّہ ملے آفتاب سے

جاتی ہی ای امید کہاں دل اجاڑ کر
چل دے کوئی نہ اُٹھ کے جہان خراب سے

کل تک جو تم سے کہہ نہ سکا حال اضطراب
ملتی ہی آج اس کی خبر اضطراب سے

یا میرے بے شمار گناہوں سے درگزر
یا میرے عذر سن کرم بے حساب سے

ای آرزوئے دید وہ دن کیا ہوئے کہ دل
لبریز شکوہ تھا نگہ کامیاب سے

فانیؔ جہان عشق میں ہوں لاکھ انقلاب
غم بدگماں نہیں اثر انقلاب سے

جلوہ بے چشم آشنا کیا ہی
میں ہی میں ہوں مرے سوا کیا ہی

شغل ہی زندگی کی فرصت کا
اور مجبور کی دعا کیا ہی

تری تدبیر ہی مری تقدیر
ابتدا یہ ہی انتہا کیا ہی

حسن دیوانہ ساز کچھ نہ کہے
میں بتاؤں مجھے ہؤا کیا ہی

دل سراپا نظر وہ حسن تمام
بند کر آنکھ دیکھتا کیا ہی

مدعا ہی کہ مدعا نہ کہوں
پوچھتے ہیں کہ مدعا کیا ہی

گلہ مند جفا تو ہو فانیؔ
یہ بھی معلوم ہی جفا کیا ہی

۴

دشمن جاں تھے تو جانِ مدعا کیوں ہو گئے
تم کسی کی زندگی کا آسرا کیوں ہو گئے

کچھ نہ کہنا وہ کسی مجبور خاموشی کا ہائے
وہ جنازہ پر ترا کہنا خفا کیوں ہو گئے

تو مرے دل کی نہ سن یہ آئینہ ہی اس سے پوچھ
تیرے صورت آشنا در وا آشنا کیوں ہو گئے

کیا تمھیں اندازۂ ضبط محبت ہو گیا
چشم بد دُور اب ستم حد سے سوا کیوں ہو گئے

دل کی صورت آکے پہلو سے تمھیں جانا نہ تھا
اور گئے بھی تھے تو جان بے وفا کیوں ہو گئے

کیا سنانا چاہتا ہے اے فریبِ التفات — خیر ہے لب آج مطلب آشنا کیوں ہو گئے

اور فانیؔ بڑھ گئی بے تابیٔ دل بعد مرگ
کیا کہیں مر کر گرفتارِ بلا کیوں ہو گئے

محشر میں عذرِ قتل بھی ہے خوں بہا بھی ہے — وہ اک نگاہ جس میں گلہ بھی حیا بھی ہے
اس درد کا علاج اجل کے سوا بھی ہے — کیوں چارہ ساز تجھ کو امیدِ شفا بھی ہے
جب عشق ابتدا ہی نہیں انتہا بھی ہے — دل میری زندگی ہی نہیں ہے قضا بھی ہے
اچھا یقیں نہیں ہے تو کشتی ڈبو کے دیکھ — اک تو ہی ناخدا نہیں ظالم خدا بھی ہے
اے حدِ ضبطِ درد نہ کر دل سے اب دریغ — اک آہ بے صدا کہ دعا بھی دوا بھی ہے
سامانِ صد نگاہ ہے ہر ذرّہ خاک کا — لیکن یہ دیکھنا ہے کوئی دیکھتا بھی ہے
ہاں دل میں درد بھی ہے زباں بھی نہیں ہے بند — کس سے کہیں کوئی دل درد آشنا بھی ہے
دل اور حکمِ ضبط سے یارائے انحراف — پردے میں کوئی دشمنِ اہلِ وفا بھی ہے

فانیؔ سے دل کے ساتھ تقاضا ہے جان کا
ظالم اس ابتدا کی کوئی انتہا بھی ہے

تو ہی سفر میں ساتھ ہے تو ہی حضر میں پاس ہے — تو ہی جنوں کا آسرا تو ہی سکوں کی آس ہے
واہ رے شانِ یادِ ذات واہ رے اعتمادِ ذات — غم ہے نہ اب ملال ہے ڈر ہے نہ اب ہراس ہے
وہم و قیاس کے سوا حاصلِ ہوش کچھ نہیں — فہم کی انتہا ہے وہم عقل کی حد قیاس ہے
ہائے وہ تیرے ذکر میں یہ بھی اک آرزو کہ کاش — کوئی کہے کہ بزمِ ناز میں جو نہیں اُداس ہے
چل تو رہے ہیں سب مگر ہے کوئی منزل آشنا — مدعیانِ آرزو دل بھی کسی کے پاس ہے
جو ہے شہیدِ انتظار جو ہے ترا امیدوار — زیست بھی اس کی زیست ہے موت بھی اس کو راس ہے
حسنِ ستم نواز کی ایک نگاہِ غم نواز — اجرِ ہزار صبر ہے نازشِ صد سپاس ہے
ترکِ خودی ہے ہوشِ عشق درکِ خودی ہے جوشِ عشق — خود نشناس و خود شناس جو ہے خدا شناس ہے

فانیؔ اس انقلاب سے وحشت عشق کی پناہ
آہ وہ بزم دل جو آج انجمن حواس ہی

غم مٹا دیا غم کا لذّت آشنا کر کے　　کیا کیا ستم گر نے خو گرِ جفا کر کے
کہتے ہو وفا کی بھی ایک حد معین تھی　　کس قدر پشیماں ہوں ترک مدعا کر کے
وہ مری شکایت پر چپ کھڑے ہیں محشر میں　　بُت انھیں بنا پایا اب خدا خدا کر کے
وہ مرے جنازے پر بعد مرگ آئے ہیں　　مدّعا ہُوا حاصل ترک مدّعا کر کے

لذّت فنا ہر گز گفتنی نہیں یعنی
دل ٹھہر گیا فانیؔ موت کی دعا کر کے

دیر میں یا حرم میں گزرے گی　　عمر تیرے ہی غم میں گزرے گی
کچھ امید کرم میں گزری عمر　　کچھ امید کرم میں گزرے گی
زندگی یاد دوست ہی یعنی　　زندگی ہی تو غم میں گزرے گی
اب کرم کا یہ ماحصل ہی کہ عمر　　یاد عہد ستم میں گزرے گی
دل کو شوق نشاط وصل نہ چھیڑ　　غم میں گزری ہی غم میں گزرے گی
حسرت دمبدم میں گزری عمر　　عبرت دمبدم میں گزرے گی

حشر کہتے ہیں جس کو اے فانیؔ
وہ گھڑی شرح غم میں گزرے گی

جاتا ہی صبر بے سروساماں کیے ہوئے　　ناموس عشق ہدیۂ مژگاں کیے ہوئے
افشائے راز اہل جنوں مصلحت نہیں　　پھرتا ہوں دھجیوں کو گریباں کیے ہوئے
پھر لے چلا ہی گریۂ بے تاب خط شوق　　دل کے لہو کو زینت عنواں کیے ہوئے
پھر ناوک نگاہ کا رُخ پھیر سوئے دل　　سامان صد جراحت پنہاں کیے ہوئے
دل کی لحد پہ خاک اُڑانے چلا ہی عشق　　ذرّے سے اکتساب بیاباں کیے ہوئے

پھر گوشہ گیر حلقۂ زنجیر ہی جنوں — صحرا کو نذر تنگیٔ زنداں کیے ہوئے
اور اک دردِ دل بھی رہا ہر نفس کے ساتھ — دشواریٔ حیات کو آساں کیے ہوئے
طوفان اضطراب جنوں اُٹھ کہ دیر سے — بیٹھا ہوں جمع خاطر داماں کیے ہوئے
ای عقل غم فروش فراغت نما ٹھہر — آتا ہی عشق درد کو درماں کیے ہوئے
کیوں اہل حشر ہی کوئی نقّاد سوز دل — لایا ہوں دل کے داغ نمایاں کیے ہوئے

فانی اب ان کی یاد پہ کیا کیجیے نثار
مدت ہوئی وداعِ دل و جاں کیے ہوئے

ستم ایجاد رہو گے ستم ایجاد رہے — اس میں اب شاد رہے یا کوئی ناشاد رہے
آپ نے عہد کیا ہی مری غم خواری کا — اب اجازت ہو تو یہ عہد مجھے یاد رہے
کر مری توبہ کو مقبول شکست توبہ — میری تدبیر میں تقدیر کی افتاد رہے
قید ہستی سے بہت تم نے کیے ہیں آزاد — کوئی اس قید محبت کی بھی میعاد رہے
وہ خدائی ہو تو ہو شان تجلی تو نہیں — جس تجلّی میں نگاہوں کو خدا یاد رہے
ظلم ہی تجھ سے بہ تقریب تکلّف منسوب — ورنہ تقدیر وفا یہ ہی کہ برباد رہے

دل آباد کا فانی کوئی مفہوم نہیں
ہاں مگر جس میں کوئی حسرت برباد رہے

شکوہ کیا کیجے نگاہ یار خود غم دیدہ ہی — کیا تماشا ہی کہ دل کا چور بھی دزدیدہ ہی
اس کی ہستی سے جدا میرا وجود اللہ رے وہم — بلبلا ہی عین دریا پھر بھی دامن چیدہ ہی
مائل پرواز ہی مقتل میں خون گرم دل — آتش سیّال تھا اب شعلۂ بالیدہ ہی

مر کے ٹوٹا ہی کہیں سلسلۂ قید حیات — مگر اتنا ہی کہ زنجیر بدل جاتی ہی
اثر عشق تغافل بھی ہی بیداد بھی ہی — وہی تقصیر ہی تعزیر بدل جاتی ہی

کہتے کہتے مرا افسانہ گلہ ہوتا ہے	دیکھتے دیکھتے تقدیر بدل جاتی ہے
روز ہے درد محبت کا نرالا انداز	روز دل میں تری تصویر بدل جاتی ہے
گھر میں رہتا ہے ترے دم سے اجالا ہی کچھ اور	مہ و خورشید کی تنویر بدل جاتی ہے

غم نصیبوں میں ہے فانی غمِ دنیا ہو کہ عشق
دل کی تقدیر سے تدبیر بدل جاتی ہے

دُنیا میری بلا جانے مہنگی ہے یا سستی ہے	موت ملے تو مفت نہ لوں ہستی کی کیا ہستی ہے
آبادی بھی دیکھی ہے ویرانے بھی دیکھے ہیں	جو اُجڑے اور پھر نہ بسے دل وہ نرالی بستی ہے
خود جو نہ ہونے کا ہو عدم کیا اسے ہونا کہتے ہیں	نیست نہ ہو تو ہست نہیں یہ ہستی کیا ہستی ہے
عجزِ گناہ کے دم تک ہیں عصمت کامل کے جلوے	پستی ہے تو بلندی ہے راز بلندی پستی ہے
جان سی شے بک جاتی ہے ایک نظر کے بدلے میں	آگے مرضی گاہک کی ان داموں تو سستی ہے
وحشت دل سے پھرنا ہے اپنے خدا سے پھر جانا	دیوانے یہ ہوش نہیں یہ تو ہوش پرستی ہے
جگ سونا ہے تیرے بغیر آنکھوں کا کیا حال ہؤا	جب بھی دنیا بستی تھی اب بھی دنیا بستی ہے
آنسو تھے سو خشک ہوئے جی ہے کہ اُمڈا آتا ہے	دل پہ گھٹا سی چھائی ہے کھلتی ہے نہ برستی ہے
دل کا اُجڑنا سہل سہی بسنا سہل نہیں ظالم	بستی بسنا کھیل نہیں بستے بستے بستی ہے

فانی جس میں آنسو کیا دل کے لہو کا کال نہ تھا
ہائے وہ آنکھ اب پانی کی دو بوندوں کو ترستی ہے

تیرے غم میں تباہ ہوتی ہے	زندگی رو براہ ہوتی ہے
دل میں آ کر جو آہ ہوتی ہے	سخت کافر نگاہ ہوتی ہے
تجھ سے انکار بن نہیں پڑتا	اپنی ہستی گواہ ہوتی ہے
طاقتِ ضبط کا سوال نہیں	اب تو ہر سانس آہ ہوتی ہے
ہم کہاں اور نگاہِ شوق کہاں	وہ بھی تیری نگاہ ہوتی ہے

تو شمع آئینہ خانہ ہی آئینہ کیا ہی — تری خدائی کے قربان ماسوا کیا ہی
اٹھا بھی دے نگہ ماسوا نگر کا حجاب — یہ دیکھنے ہی کا پردہ ہی دیکھتا کیا ہی
کیا ہی خلق مجھے باوجود علم گناہ — یہ ابتدا ہی کرم کی تو انتہا کیا ہی

لبیک کہا کس کو حیات ابدی نے — دم توڑ دیا کیا ترے قدموں پہ کسی نے
مجموعۂ آداب دو عالم ہی محبت — مرنے کے سلیقے ہیں تو جینے کے قرینے
مرتے ہی بن آتی ہی نہ جیتے ہی بن آئی — مارا مجھے قاتل کی مسیحا نفسی نے
پڑتا نہیں اس آئینہ میں عکس کوئی اور — دل میں تری تصویر سی رکھ دی ہی کسی نے
آئینہ بصد جلوہ و ہر جلوہ بصد رنگ — کیا کیا نہ کیا تیری تماشا طلبی نے
دو نام ہیں ہستی و فنا ایک ہی دل کے — مارا ہی اسی دل نے جلایا ہی اسی نے

امید بھی کیا شی ہی کہ ہر سانس میں فانیؔ
کچھ زندگی خضر کے پاتا ہوں قرینے

ابھری ہوئی ہی چوٹ دلِ دردمند کی — رکھنا قدم تصور جاناں سنبھال کے
کہتے ہیں جن کو عرفِ محبت میں داغ دل — وہ نقش تو نہ ہوں ترے پائے خیال کے
ہنگامۂ شباب ہی اے دل ذرا ٹھہر — جانا ہی تو کہاں مجھے آفت میں ڈال کے
قربان ایک آمدِ غم پر ہزار دل — صدقے اس ابتدائے قیامت مآل کے

دل جو عالم میں فرد رہتا ہی — نذرِ اربابِ درد رہتا ہی
جانے دل کے لہو پہ کیا گزری — رنگ اشکوں کا زرد رہتا ہی
سوز غم کی نہ پوچھ ضبط کو دیکھ — یہ جہنم بھی سرد رہتا ہی
مژدہ انجام غم کہ پہلو میں — دل بہ عنوانِ درد رہتا ہی

ذرّے ذرّے کے روپ میں فانیؔ
کوئی صحرا نورد رہتا ہے

سمائیں آنکھ میں کیا شعبدے قیامت کے
مری نظر میں ہیں جلوے کسی کے قامت کے

یہاں بلائے شب غم وہاں بہار شباب
کسی کی رات کسی کے ہیں دن قیامت کے

ستارے ہوں تو ستارے نہ ہوں تو برق بلا
چراغ ہیں تو یہ ہیں بے کسوں کی تربت کے

الٹ دیا غم عشق مجاز نے پردہ
حجاب حسن میں کچھ راز تھے حقیقت کے

اڑا لیے ہیں کچھ انداز موت نے فانیؔ
عتاب یار کے روز سیاہ فرقت کے

آہ اب تک تو بے اثر نہ ہوئی
کچھ تمھیں کو مری خبر نہ ہوئی

شام سے فکر صبح کیا شب ہجر
مر رہیں گے اگر سحر نہ ہوئی

کس سے دل کا سراغ پائیں گے ہم
تو ہی اے آرزو اگر نہ ہوئی

خلق سمجھی مجھی کو دیوانہ
چارہ فرمائے چارہ گر نہ ہوئی

کچھ نظر کہ گئی زباں نہ کھلی
بات ان سے ہوئی مگر نہ ہوئی

شکوہ کیا ان سے خونِ ناحق کا
زندگی تھی ہوئی بسر نہ ہوئی

حشر کا دن بھی ڈھل گیا فانیؔ
دل کی روداد مختصر نہ ہوئی

دیا اک جان کے دشمن کو دل جاں نذر دلبر کی
یہ ہے اپنی کہانی قصہ کوتہ زندگی بھر کی

الٰہی کیا خبر لاتا ہے قاصد وصل دلبر کی
بلائیں لے رہی ہیں میری تدبیریں مقدر کی

قضا آئی طبیب آیا وہ آئے دیکھ کون آیا
کسی نے اے جنوں زنجیر کھڑکائی مرے در کی

وہ شام وصل دشمن زلف سلجھاتے ہیں رک رک کر
انھیں یاد آگئیں کیا گتھیاں میرے مقدّر کی

اجل کی آرزو ہو دل میں فانیؔ اور دنیا ہو
خدا رکھے یہی رونق ہے اس اجڑے ہوئے گھر کی

ہر ستم کا یہ تقاضا ہی کہ ہو فریاد بھی
اب تو جینا ہی پڑے گا شاد بھی ناشاد بھی

گلشن تصویر میں تھے طائر تصویر ہم
کیا کہیں کیونکر رہے مجبور بھی آزاد بھی

خیر ہی کیا چاہتی ہی ای نسیم کوئے یار
اب تو ظالم میری مٹی ہو چکی برباد بھی

اجل جو آئے تو اپنا بھی کام ہو جائے
تمام عمر کا قصہ تمام ہو جائے

نگاہ ناز کا صدقہ نیازمند ہیں ہم
کبھی قبول ہمارا سلام ہو جائے

نہیں ضرور کہ مر جائیں جاں نثار ترے
یہی ہی موت کہ جینا حرام ہو جائے

تری خدائی میں ہوتی ہی ہر سحر کی شام
الٰہی اپنی سحر کی بھی شام ہو جائے

جنس دل مفت پھنسا کر کوئی دیوانہ بنے
زلف جاناں سے بنا ہی کوئی سودا نہ بنے

ای تری شان کہ بت خانہ تو کعبہ بن جائے
دل کہ مسکن ہی ترا کعبہ سے بت خانہ بنے

لب تک آجائے غم ہجر تو شکوہ ہو جائے
آپ سن لیں تو عجب کیا ہی کہ افسانہ بنے

کی وفا یار سے ایک ایک جفا کے بدلے
ہم نے گن گن کے لیے خون وفا کے بدلے

کی سپردِ درِ بُت خانہ اجل نے مری خاک
کس کو سونپا مجھے ظالم نے خدا کے بدلے

لطف بیداد، حیا، غصہ، تغافل، شوخی
رنگ کیا کیا نہ تلوّن نے ادا کے بدلے

ہائے میں کشتۂ انداز ہوں یارب کس کا
حور آئی مجھے لینے کو قضا کے بدلے

تیر سے تیغ سے خنجر سے سناں سے مارا
کئی پہلو مرے قاتل نے قضا کے بدلے

کفن ای گرد لحد دیکھ نہ میلا ہو جائے
آج ہی ہم نے یہ کپڑے ہیں نہا کے بدلے

عشق اللہ بچائے وہ مرض ہی فانی
زہر بیمار کو دیتے ہیں دوا کے بدلے

فانی کفِ قاتل میں شمشیر نظر آئی — لے خواب محبت کی تعبیر نظر آئی
پھر ابر میں وحشت کی تصویر نظر آئی — لہرائی ہوئی بجلی زنجیر نظر آئی
جب میں نے دعاؤں کا رُخ سوئے فلک دیکھا — تدبیر کے پہلو میں تقدیر نظر آئی
جو دل سے نکل آئی وہ آہ سناں دیکھی — جو ڈوب گئی دل میں وہ تیر نظر آئی
ہر عیش کی محفل میں پروانہ کا ماتم تھا — جو شمع نظر آئی دل گیر نظر آئی
کعبہ میں کلیسا میں ہم نے تو جہاں دیکھا — ای قصرِ وفا تیری تعمیر نظر آئی
جب خون ہُوا دل کا وہ آنکھوں میں آبیٹھے — آہوں کا حجاب اٹھا تاثیر نظر آئی
کایا غمِ دنیا کی وحشت نے پلٹ دی ہی — خاک رہِ ویرانہ اکسیر نظر آئی
دُنیا کی بلاؤں کو جب جمع کیا میں نے — دھندلی سی مجھے دل کی تصویر نظر آئی
دل اُن کے نہ آنے تک لبریز شکایت تھا — وہ آئے تو اپنی ہی تقصیر نظر آئی

فانی غمِ ہستی نے زندہ ہی مجھے سمجھا
جب تک مرے مرنے میں تاخیر نظر آتی

دل کی لگی نہیں تو خیر اب کوئی دل لگی سہی — فتنۂ شامِ غم کے بعد فتنۂ حشر ہی سہی
سازِ خیالِ یار سے چھیڑ چلی بھی کیوں نہ جائے — نغمۂ آرزو سُنا نوحۂ یاس ہی سہی
شیوۂ عاشقی نہیں ہجر میں آرزوئے مرگ — ہاں نہیں زندگی عزیز موت ہی زندگی سہی

ہر چند کہ ہی لیکن ملتا ہی نشاں کوئی — پہلو میں تجھے ڈھونڈھے ای درد کہاں کوئی
یا کہتے تھے کچھ کہتے جب اس نے کہا کہیے — تو چپ ہیں کہ کیا کہیے کھلتی ہی زباں کوئی
برگشتہ مقدر کی تاثیر ارے توبہ — دل ہی پہ پلٹ آئی۔ کی آہ جہاں کوئی

شبابِ ہوش کی فی الجملہ یادگار ہوئی — جو عمر صرف تماشائے حسنِ یار ہوئی

حساب حسرت جرم نظارہ دل سے پوچھ
نظر تو ایک جھلک کی گناہگار ہوئی

بساط عجز میں اک آہ تھی متاع حیات
۲ سو وہ بھی صرف ستم ہائے روزگار ہوئی

بقدر ہستیٔ دل ہی خمار غم بدنام
خزاں خراب باندازۂ بہار ہوئی

نہیں کہ آہ میں تاثیر ہی نہیں لیکن
یہ دل فگار کبھی آسماں فگار ہوئی

کرم ہی راز امید کرم کی ہستی کا
امید تیرے کرم کی امیدوار ہوئی

بلا سے ہجر میں جینے کی انتہا تو ہی
وہ ایک بار ہوئی یا ہزار بار ہوئی

ازل میں خلق ہوئی تھی جو بجلیوں کی روح
تری نگاہ مری جان بے قرار ہوئی

مرے وجود کی حجت مرے عدم کی دلیل
۳ وہ اک نظر تھی جو شاید جگر کے پار ہوئی

بہار، نذر تغافل ہوئی خزاں ٹھہری
خزاں شہید تبسم ہوئی بہار ہوئی

امید مرگ پہ **فانیؔ** نثار کیا کیجے
وہ زندگی کہ ہوئی بھی تو مستعار ہوئی

جب دل میں ترے غم نے حسرت کی بنا ڈالی
دنیا مری راحت کی قسمت نے بدل ڈالی

اب برق نشیمن کو ہر شاخ سے کیا مطلب
جس شاخ کو تاکا تھا وہ شاخ جلا ڈالی

اظہار محبت کی حسرت کو خدا سمجھے
ہم نے یہ کہانی بھی سو بار سُنا ڈالی

جینے بھی نہیں دیتے مرنے بھی نہیں دیتے
کیا تم نے محبت کی ہر رسم اُٹھا ڈالی

جینے میں نہ اب **فانیؔ** مرنے میں شمار اپنا
ماتم کی بساط اس نے کیا کہہ کے اٹھا ڈالی

اب انھیں اپنی اداؤں سے حجاب آتا ہی
چشم بد دُور دلھن بن کے شباب آتا ہی

ہجر میں بھی مجھے امداد اجل تھی درکار
میری تربت پہ نہ آ تجھ سے حجاب آتا ہی

دید آخر ہی الٹ دیجیے چہرے سے نقاب
آج مشتاق کے چہرے پہ نقاب آتا ہی

کس طرف جوش کرم تری نگاہیں اٹھیں
کون محشر میں سزاوار عتاب آتا ہی

موت کی نیند بھی اب چین سے سونا معلوم / کہ جنازے پہ وہ غارت گر خواب آتا ہی
دل کو اس طرح ٹھہر جانے کی عادت تو نہ تھی / کیوں اجل کیا مرے نامے کا جواب آتا ہی
جلوۂ رنگ ہی نیرنگ تقاضائے نگاہ / کوئی مجبور تماشائے سراب آتا ہی
ہو گیا خون ترے ہجر میں دل کا شاید / اب تصور بھی ترا نقش بر آب آتا ہی

ملتی جلتی ہی مری عمر دو روزہ فانی
جی بھر آتا ہی اگر ذکر حباب آتا ہی

قطرہ دریائے آشنائی ہی / کیا تری شان کبریائی ہی
تیری مرضی جو دیکھ پائی ہی / خلش درد کی بن آئی ہی
وہم کو بھی ترا نشاں نہ ملا / نارسائی سی نارسائی ہی
کون دل ہی جو دردمند نہیں / کیا ترے درد کی خدائی ہی
جلوۂ یار کا بھکاری ہوں / شش جہت کاسۂ گدائی ہی
موت آتی ہی تم نہ آؤ گے / تم نہ آئے تو موت آئی ہی
بچھ گئے راہ یار میں کانٹے / کس کو عذر برہنہ پائی ہی
ترک امید بس کی بات نہیں / ورنہ امید کب بر آئی ہی
مژدۂ جنت وصال ہی موت / زندگی محشر جدائی ہی
آرزو پھر ہی درپئے تدبیر / سعی ناکام کی دہائی ہی

موت ہی ساتھ دے تو دے فانی
عمر کو عذر بے وفائی ہی

کیوں نہ نیرنگ جنوں پر کوئی قرباں ہو جائے / گھر وہ صحرا کہ بہار آئے تو زنداں ہو جائے
برق دم لینے کو ٹھہرے تو رگ جاں ہو جائے / فتنۂ حشر مجسم ہو تو انساں ہو جائے
جوہر آئینہ دل ہی وہ تصویر ہی تو / دل وہ آئینہ کہ تو دیکھ کے حیراں ہو جائے

غم وہ راحت جسے قسمت کے دھنی پلتے ہیں
دم وہ مشکل ہو کہ موت آئے تو آساں ہو جائے

عشق وہ کفر کہ ایمان ہو دل والوں کا
عقل مجبور وہ کافر جو مسلماں ہو جائے

ذرّہ وہ راز بیاباں ہو جو افشا نہ ہؤا
دشت وحشت ہو وہ ذرّہ جو بیاباں ہو جائے

غم محسوس وہ باطل جسے کہتے ہیں مجاز
دل کی ہستی وہ حقیقت ہو جو عریاں ہو جائے

خلد میخانہ کو کہتے ہیں بقول واعظ
کعبہ بت خانے کو کہتے ہیں جو ویراں ہو جائے

سجدہ کہتے ہیں در یار پہ مرجانے کو
قبلہ وہ سر ہو جو خاک رہ جاناں ہو جائے

موت وہ دن بھی دکھائے مجھے جس دن فانیؔ
زندگی اپنی جفاؤں پہ پشیماں ہو جائے

ای کاش شہادت کے ارمان نکل جاتے
قاتل کی نگاہوں کے تیور ہی بدل جاتے

آتے وہ تو فرقت کے دُکھ کیا ہیں اجل کیسی
آئی ہوئی ٹل جاتی آئے ہوئے ٹل جاتے

سر اب مجھے بھاری ہو صدقہ ترے خنجر کا
یہ بار اُتر جاتا جو وار تھے چل جاتے

جس قدر چاہیے جلووں کو فراوانی دے
ہاں نظر دے تو مجھے فرصت حیرانی دے

ترجمان غم دل رنگ شکستہ ہو نہ آہ
کون اس عہد میں اب داد زباں دانی دے

وحشت تازہ کا نوروز مبارک ای عشق
پھر بہار آئی مجھے خلعت عریانی دے

تجھے زحمت درباں نہ مجھے شکوۂ غیر
میری قسمت کو، جو تو خدمت دربانی دے

خلش درد سے کم مایۂ غم ہیں محروم
جنس حرماں کو خدا عزت ارزانی دے

ہی ہوس ہوش تو اس ہوش سے میں باز آیا
کاش پھر بے خبری مژدۂ نادانی دے

اپنے دیوانے پہ اتمام کرم کر یارب
در و دیوار دیے اب انھیں ویرانی دے

سُن کے افسانۂ دل پھر متبسم ہو جا
گریۂ شوق کو پھر دعوت طغیانی دے

رہ نہ جائے کہیں دشوارئ فانیؔ باقی
اس کی مشکل کو بھی اب رخصت آسانی دے

وہ مشق خوئے تغافل پھر ایک بار رہے | بہت دنوں مرے ماتم میں سوگوار رہے
خدا کی مار جواب دل پہ اختیار رہے | بہت قرار کے پردے میں بے قرار رہے
کسی نے وعدۂ صبر آزما کیا تو ہے | خدا کرے کہ مجھے تاب انتظار رہے
فنا کے بعد یہ مجبوریاں ارے توبہ | کوئی مزار میں کوئی سر مزار رہے
سکون موت مری لاش کو نصیب نہیں | رہے مگر کوئی اتنا نہ بے قرار رہے
میں کب سے موت کے اس آسرے پہ جیتا ہوں | کہ زندگی مری مرنے کی یادگار رہے
جو بچا نہ سکے جان کیا بچا لیں گے | نہ اختیار رہا ہے نہ اختیار رہے

میں غم نصیب وہ مجبور شوق ہوں فانی
جو نامراد جیے اور امیدوار رہے

ہر چند کچھ اور ہے حقیقت | کہنے کو جو میں نہیں وہ تو ہے
کیا کیجیے سیر باغ عالم | گل پردہ نشین رنگ و بو ہے
اللہ رے تری فسوں نوازی | جو دل ہے طلسم آرزو ہے

اک فسانہ سن گئے اک کہہ گئے | بس جو رویا مسکرا کر رہ گئے
یا ترے محتاج ہیں اے خون دل | یا انھیں آنکھوں سے دریا بہہ گئے
موت ان کا منہ ہی تکتی رہ گئی | جو تری فرقت کے صدمے سہہ گئے
تو سلامت ہے تو ہم اے دردِ دل | مر ہی جائیں گے جو جیتے رہ گئے
پھر کسی کی یاد نے تڑپا دیا | پھر کلیجہ تھام کر ہم رہ گئے

اُٹھ گئے دنیا سے فانی اہل ذوق
ایک ہم مرنے کو زندہ رہ گئے

اس نورِ مجسم کے افسانے کو کیا کہیے | ہر شمع بھی پروانہ پروانے کو کیا کہیے

ہر در سے ترے طالب ناکام پلٹ آئے
کعبے میں ہی سناٹا بت خانے کو کیا کہیے

کچھ کھیل نہ تھا یوں بھی پروانے کا جل بجھنا
جل کر نہ بجھے ایسے پروانے کو کیا کہیے

آغاز بھی تو جس کا انجام بھی تو جس کا
اس دردِ محبت کے افسانے کو کیا کہیے

آبادی کی آبادی ویرانے کا ویرانہ
ارمان بھرے دل کے کاشانے کو کیا کہیے

اجڑی ہوئی آنکھوں میں رونق ترے دم سے تھی
ویران ہی ہر بستی ویرانے کو کیا کہیے

کس نے اسے دیکھا ہی اے حسرت نظارہ
فانی تو ہی دیوانہ دیوانے کو کیا کہیے

رگ رگ میں اب اندازِ بسمل نظر آتا ہی
ہر سانس کے پردے میں قاتل نظر آتا ہی

وہ وعدۂ آساں پر مائل نظر آتا ہی
اب کارِ تمنا پھر مشکل نظر آتا ہی

تو دشنۂ و پہلو میں حائل نظر آتا ہی
جیتے ہیں کہ مرجانا مشکل نظر آتا ہی

ترکِ غمِ ساحل کا حاصل نظر آتا ہی
لے ڈوبنے والے وہ ساحل نظر آتا ہی

دل کھوئے ہوئے برسوں گزرے ہیں مگر اب بھی
آنسو نکل آتے ہیں جب دل نظر آتا ہی

آغازِ محبت میں جینے ہی کے لالے تھے
اب خیر سے مرنا بھی مشکل نظر آتا ہی

تو مستِ خود آرائی ہم حسن کے متوالے
جو ہی تری محفل میں غافل نظر آتا ہی

رودادِ محبت کی تصویر ہی ہر آنسو
ہر قطرۂ خونیں میں اک دل نظر آتا ہی

بے تابیٔ بے صرفہ بے وجہ نہیں یعنی
دل دردِ محبت کے قابل نظر آتا ہی

موجوں کی سیاست سے مایوس نہ ہو فانی
گرداب کی ہر تہ میں ساحل نظر آتا ہی

ہر دل ہی تیرے غم کی امانت لیے ہوئے
ذرّے ہیں اک جہانِ حقیقت لیے ہوئے

دے اذنِ عام عشق کو تاراجِ ہوش کا
بیٹھا ہوں دل میں صبر کی دولت لیے ہوئے

محشر میں جبرِ دوست سے طالب ہوں داد کا
آیا ہوں اختیار کی تہمت لیے ہوئے

اس خاک دانِ تیرہ میں کیا ڈھونڈھتا ہوں میں — پھرتا ہوں شمع داغِ محبت لیے ہوئے
کافر ہوں گر یقین نہ ہو کافر کی بات کا — وعدے ہیں اعتبارِ قیامت لیے ہوئے
روشن ہوئی وہ گورِ غریباں میں شمعِ طور — آغوشِ نور میں مری تربت لیے ہوئے

کرتے ہیں یہ گل تیری اک جنبشِ دامن نے — یوں کر نہ لیے پیدا دو پھول بھی گلشن نے
بخشا جو شرف اُن کے اُڑتے ہوئے دامن نے — اُٹھ اُٹھ کے بلائیں لیں خاکِ سرِ مدفن نے
جو مجھ پہ ہوئی ایسی بیداد نہ کی ہوگی — اللہ کے بندوں پر اللہ کے دشمن نے
وہ قصۂ موسیٰ پھر اے سوزِ جگر کہنا — کس آگ کی چنگاری دی وادیٔ ایمن نے
یہ سوختہ سامانی کس کس کے نہ کام آئی — لی ایک نہ اک بجلی ہر دانۂ خرمن نے
کل تک یہی گلشن تھا صیّاد بھی بجلی بھی — دنیا ہی بدل دی ہے تعمیرِ نشیمن نے

یہ رشک و محبت کی روداد ہے اے فانیؔ
اک دوست کے پردے میں مارا غمِ دشمن نے

مشتاقِ نگاہوں کی اللہ رے رسوائی — میں محوِ تماشا ہوں دنیا ہے تماشائی
تیری ہی نگاہوں کے سب دیکھنے والے تھے — تقدیر بگڑ بیٹھی تدبیر نہ کام آئی
بیداد کے اس تیور اس حسن کے میں صدقے — ان کو مرے مرنے پر آئی تو ہنسی آئی
لبریز تموّج تھا اک خطِ پیمانہ — محفل سے جو وہ اُٹھے لیتے ہوئے انگڑائی
پھولوں سے تعلق تو اب بھی ہے مگر اتنا — جب ذکرِ بہار آیا سمجھے کہ بہار آئی

گل خزاں کے راز کا محرم نظر آیا مجھے — ہر تبسم پردہ دارِ غم نظر آیا مجھے
کس کو کہیے ماسوا جب تو نہیں تو کچھ نہیں — تو نظر آیا تو اک عالم نظر آیا مجھے
حد پہ جب پہنچی نظر حدِ نظر آگے بڑھی — جو نظر آیا زیادہ کم نظر آیا مجھے

نوحۂ تدبیر تھا تقدیر کا ایک ایک حرف
خطِ پیشانی صفِ ماتم نظر آیا مجھے

جو تجھے سمجھا اسے دنیا سمجھ سکتی نہیں
راز تھا جو راز کا محرم نظر آیا مجھے

زخم کے مرہم بھی دیکھے مرہم بے زخم بھی
زخمِ دل ہی زخم بے مرہم نظر آیا مجھے

میں نے فانیؔ ڈوبتے دیکھی ہی نبضِ کائنات
جب مزاجِ دوست کچھ برہم نظر آیا مجھے

تھم تھم کے آ رہی ہیں دمِ نزع ہچکیاں
رہ رہ کے ٹوٹتی ہیں امیدیں رہی سہی

دشوار تو نہیں غمِ ہستی کا خاتمہ
ان کی خوشی نہیں ہی تو ان کی خوشی سہی

بے امتیاز جور ہی ہم نے اٹھا دیا
تو بے وفا نہیں ہی تو اچھا یہی سہی

جس سمت نگاہ یک نگر جائے
تو آئے نظر جدھر نظر جائے

اچھا ہی جو نالہ بے اثر جائے
کیوں میری بلا کسی کے سر جائے

ہاں ناخنِ غم کمی نہ کرنا
ڈرتا ہوں کہ زخمِ دل نہ بھر جائے

جیتے بھی ہیں تم پہ مرنے والے
غم زہر نہیں جو کام کر جائے

کر خوئے جفا نہ یک بیک ترک
کیا جانیے مجھ پہ کیا گزر جائے

اُٹھ جائے جدھر نگاہِ ساقی
نشتر رگِ ہوش میں اُتر جائے

فانیؔ تو اور سکون کی امّید
دل اور ترے جیتے جی ٹھہر جائے

ادائیں آگئیں کوئے بتاں کی
زمیں تک ہی رسائی آسماں کی

زباں کٹتی ہی ذکرِ آشیاں پر
تمنّا بھی بہت تھی آشیاں کی

امید مہر ہی ایمان اپنا
قسم ہی اس دلِ نامہرباں کی

یہ دل ہی یادگارِ ناوکِ ناز
نشانی ہی یہ زخمِ بے نشاں کی

نوید ربط ہی ہر جور لیکن — کہاں سے لاؤں طاقت امتحاں کی
مری تربت کے سناٹے میں اب تک — صدائیں گونجتی ہیں الاماں کی

حرم میں آہیں نکلے ہیں تو فاؔنی
یہ کیا کہیے کہ نیت تھی کہاں کی

دوری ہی پھر اچھی تھی نزدیکیٔ منزل سے — کشتی کو ملا ساحل ٹکرا گئی ساحل سے
شاید مرے مرنے کا دلچسپ نہ تھا منظر — آج ان سے مری حالت دیکھی گئی مشکل سے
ایمان محبت کی بجھتی نہیں چنگاری — اُٹھتا ہی دھنواں اب تک خاک حرم دل سے
ہوتا نہیں اب ان کی محفل میں شمار اپنا — یوں بیٹھے ہیں ہم جیسے اُٹھ سے گئے محفل سے
وہ ہم سے کہاں چھپتے ہم خود ہیں حجاب ان کا — محمل ہیں جو چھپتے ہیں چھپتے نہیں محمل سے
تجھ کو یہ خبر ہو گی ہم کو تو نہ تھی ناصح — پہلی ہی نظر اُٹھ کر لڑ جائے گی قاتل سے

غربت میں غنیمت ہی اتنا بھی نشاں فاؔنی
کچھ خاک کے ذرّے ہیں لپٹے ہوئے منزل سے

کیا چاہتے ہو منہ سے اللہ بھی نہ نکلے — ارمانِ دل بقدر یک آہ بھی نہ نکلے
چاہوں بھی اور یہ ضد ہی چاہا انھیں کا چاہوں — دل سے دعا بھی نکلے دل خواہ بھی نہ نکلے
اللہ رے سخت جانی شب ہائے غم کے نالے — تاثیر کیا دکھاتے جاں کاہ بھی نہ نکلے
ہر راہ سے گزر کر دل کی طرف چلا ہوں — کیا ہو جو ان کے گھر کی یہ راہ بھی نہ نکلے
کیا وصف جور بھی ہی اب ناگوار خاطر — دل سے شکست دل پر اب واہ بھی نہ نکلے
شکوہ نہ کر فغاں کا وہ دن خدا نہ لائے — تیری جفا پہ دل سے جب آہ بھی نہ نکلے

ای جان و دل کے دشمن یہ کیا کہ جان فاؔنی
نکلے بھی اور دل کے ہمراہ بھی نہ نکلے

گلچیں کے لیے اور نہ گلشن کے لیے ہی — جو گل ہی ترے گوشۂ دامن کے لیے ہی

تو اور وفا تجھ سے اور امید نوازش   تو دوست کے بس کا ہی نہ دشمن کے لیے ہی
چل گورِ غریباں میں نہ اس خاک سے بچ کر   تیرے ہی جو سمٹے ہوئے دامن کے لیے ہی
مدفن جو سرِ رہ گزرِ دوست ہی فانیؔ
روز ایک قیامت مرے مدفن کے لیے ہی

دم نزع آ دیکھ انجام فرقت   جدا ہو رہے ہیں جدا ہونے والے
خدائی کے سر جھک گئے اُن کے در پر   یہ کافر ہیں کیا جانے کیا ہونے والے
کبھی تو مرے دردِ دل کی خبر لے   مرے درد سے آشنا ہونے والے
مجھے موت کا آسرا دے رہے ہیں   مری زیست کا مدعا ہونے والے
کوئی بے نیازی کی حد بندہ پرور
کسی کے ہو شاید خدا ہونے والے

تیری قدرت کا نظارہ ہی مرا عجز گناہ   تیری رحمت کا اشارہ ہی ندامت میری
لو تبسم بھی شریک نگہ ناز ہؤا ۴   آج کچھ اور بڑھا دی گئی قیمت میری
فیض یک لمحۂ دیدار سلامت فانیؔ
غم ہر روز ہی بڑھتی ہوئی دولت میری

ہر بلائے شام فرقت دیکھ لی   ہم نے دنیا میں قیامت دیکھ لی
پھر نہ اس دل کو ہوئی راحت نصیب   تو نے جس دل میں محبت دیکھ لی
ذوقِ نظارہ سلامت چاہیے   جس طرف دیکھا وہ صورت دیکھ لی
واہ ری رنگینیٔ بزم خیال   دل کے ہر گوشہ میں جنّت دیکھ لی
آپ نے انجام دیکھا عشق کا
آپ نے فانیؔ کی تُربت دیکھ لی

موت کی رسم نہ تھی ان کی ادا سے پہلے   زندگی درد بنانی تھی دوا سے پہلے

کیوں رہے بیچ میں یہ واسطۂ حسنِ قبول — بند کر بابِ اثر میری دعا سے پہلے
کاٹ ہی دیں گے قیامت کا دن اک اور سہی — دن گزارے ہیں محبت میں قضا سے پہلے
میری عادت ہی وفا ان پہ کچھ احسان نہیں — تھا مجھے ذوقِ وفا ان کی جفا سے پہلے
دو گھڑی کے لیے میزانِ عدالت ٹھہرے — کچھ مجھے حشر میں کہنا ہی خدا سے پہلے
کچھ ادائیں ہیں جنھیں قتلِ عبث ہی منظور — کچھ سزائیں ہیں جو ملتی ہیں خطا سے پہلے
تم جوانی کی کشاکش میں کہاں بھول اٹھے — وہ جو معصوم شرارت تھی حیا سے پہلے
ہائے ان کا مری میت پہ یہ عذرِ تاخیر — سو گئے تم مرے دامن کی ہوا سے پہلے

دارِ فانی میں یہ کیا ڈھونڈھ رہا ہی فانی
زندگی بھی کہیں ملتی ہی فنا سے پہلے

وفا بیگانۂ رسمِ بیاں ہی — خموشی اہلِ دل کی داستاں ہی
مرا دل ہی کسی کی یاد کا نام — محبت میری ہستی کا نشاں ہی
تماشا چاہیے تابِ نظر دے — نگاہ شوق ہی اور رائیگاں ہی
مسلّم پرسشِ بیمار لیکن — وہ شانِ چارہ فرمائی کہاں ہی
ترا نقشِ قدم ہی ذرّہ ذرّہ — زمیں کہتے ہیں جس کو آسماں ہی
بچے گی دل کی پامالی کہاں تک — تجلی کاروانِ در کارواں ہی
مجھی پر ہیں جفائیں چشمِ بد دُور — خدا رکھے وہ مجھ پر مہرباں ہی
پھر اب منظور ہی ہنگامۂ برق — پھر اب قصدِ بنائے آشیاں ہی

وہ دل کی آڑ میں رہتے ہیں فانی
تمنا میرے ان کے درمیاں ہی

وہ میری لاش پہ تہمت سی کچھ اٹھا کے چلے — مجھے قرار سے دیکھا تو مسکرا کے چلے
یہ دل حریفِ تجلی ہی کیوں بنایا تھا — کہ جب یہ نقشِ دوئی بن گیا مٹا کے چلے

ادائے دعوت نظارہ دیدنی ہے کہ وہ
مری نگاہ سے نظریں بچا بچا کے چلے

مگر نمودِ مشیت وجود تھا اپنا
رضائے دوست کو ہم آئینہ دکھا کے چلے

بلاکشوں کا تمھاری بلا کرے ماتم
جو غم اٹھانے کو آئے تھے غم اٹھا کے چلے

کرم کیا تو باندازۂ تبسّم برق
وہ کچھ خیال میں آئے ہی تھے کہ آ کے چلے

یہ لطف عام ہے فانی پہ کچھ نہیں موقوف
جدھر حضور گئے بجلیاں گرا کے چلے

مہر کی جو نگاہ تھی خنجرِ بے پناہ تھی
دردِ جگر کی ہر دوا دردِ مآل ہو گئی

موت فراقِ یار میں درپئے انقلاب ہے
نیند جو کل حرام تھی آج حلال ہو گئی

فرصت یک نظر کے بعد حوصلۂ دعائے وصل
کیوں دلِ قدر ناشناس اب یہ مجال ہو گئی

میری وفا جفا فروش گریہ تبسّم آفریں
عشق کی ساری کائنات صرفِ جمال ہو گئی

حسن کی وہ لطافتیں عشق کی وہ نزاکتیں
ہائے وہ زندگی جواب خواب و خیال ہو گئی

راز تھے میرے زخمہائے جگر
تو ذرا تم نے سی دیے ہوتے

ضبط کا حوصلہ نکل جاتا
کچھ ستم اور بھی کیے ہوتے

زندگی بے دلوں پہ تہمت تھی
مر نہ جاتے اگر جیے ہوتے

کچھ سمجھ کر قفس میں اے صیّاد
چار تنکے ہی رکھ دیے ہوتے

گل دیے تھے تو کاش فصلِ بہار
تو نے کانٹے بھی چن لیے ہوتے

تھے بھر ان کے دیے ہوئے فانی
اور صدمے اٹھا لیے ہوتے

سوال دید پہ تیور چڑھائی جاتی ہے
مجال دید پہ بجلی گرائی جاتی ہے

خدا بخیر کرے ضبطِ شوق کا انجام
نقاب میری نظر سے اٹھائی جاتی ہے

اسی کو جلوۂ ایمان عشق کہتے ہیں — ہجوم یاس میں بھی آس پائی جاتی ہی
اب آ گئے ہو تو اور اک ذرا ٹھہر جاؤ — ابھی ابھی مری میّت اٹھائی جاتی ہی
مرے قیاس کو اپنی تلاش میں کھو کر — مرے حواس کو دنیا دکھائی جاتی ہی

چونک پڑتے ہیں ذکر فانی سے — نیند اچٹتی ہی اس کہانی سے
تیری نامہربانیوں کی قسم — لاگ ہی دل کو مہربانی سے
ہم نے اپنا سراغ پا ہی لیا — آپ کی شان بے نشانی سے
حشر کو بھی ہی دوُر کی نسبت — چشم بد دوُر اس جوانی سے
مژدۂ مرگ ناگہاں کی پناہ — فتنۂ عمر جاودانی سے
کاش میری زبان سے سُنتے — اب جو سُنتے ہو بے زبانی سے

کچھ خبر بھی ہی روٗٹھنے والے
زندگی روٗٹھتی ہی **فانی** سے

عرصۂ حشر دوُر ہی خاک دل حزیں سہی — مشق خرام ناز کر واں نہ سہی یہیں سہی
سر نہیں سنگ در تو ہی ترک نہ کر نمازِ عشق — خاک جبیں سے کام لے سجدۂ بے جبیں سہی
ہی ترے تیر ناز کے رُخ پہ نشانہ منحصر — دل ہو جگر ہو کوئی ہو تیر لگا کہیں سہی
اے دم واپسیں ٹھہر، دردِ فراق المدد — ایک ہی آج اشک غم حاصلِ آستیں سہی
میں ہوں رہین انتظار آئے یا نہ آئے وہ — اپنے یقیں کو کیا کروں آپ کی ہاں نہیں سہی
سُن تو لیا ہی حالِ دل دیکھیے سُن کے کیا کہیں — پھر مرے منہ کی بات ہی کیسی ہی دلنشیں سہی

فانیٔ زار پر کرم تیری رضا کے ہی سپرد
ایک نگاہ اور اگر یہ بھی نہیں نہیں سہی

درد کی دنیا بدل جانے کو ہی — دم محبت میں نکل جانے کو ہی

پھر ترا غم کارفرما چاہیے　　پھر طبیعت کچھ سنبھل جانے کو ہی
مختصر کرتا ہوں اب رُوداد شوق　　آفتاب حشر ڈھل جانے کو ہی
کیا تری چشم فسوں گر کہ گئی　　پھر مری حسرت مچل جانے کو ہی

فانیؔ اسرار غم فردا نہ پوچھ
وعدۂ فردا بھی ٹل جانے کو ہی

بے ذوق نظر بزم تماشا نہ رہے گی　　منہ پھیر لیا ہم نے تو دنیا نہ رہے گی
ایذا نہ رہے گی جو گوارا نہ رہے گی　　چھیڑا اب مجھے دنیا نے تو دنیا نہ رہے گی
دل لے کے یہ کیا ضد ہی کہ اب جان بھی کیوں ہو　　یہ بھی نہ رہے گی بہت اچھا نہ رہے گی
یہ درد محبت غم دنیا تو نہیں ہی　　اب موت بھی جینے کا سہارا نہ رہے گی

ایسا بھی کوئی دن مری قسمت میں ہی فانیؔ
جس دن مجھے مرنے کی تمنا نہ رہے گی

کم درد جگر ہی یا بہت ہی　　جو آپ سے مل گیا بہت ہی
پچھتائیں گے آپ دل کو لے کر　　کم بخت غم آشنا بہت ہی
تکلیف جفا بھی کیوں کریں آپ　　احسان غم وفا بہت ہی
کیا چاہیے اور زندگی کو　　مر رہنے کا آسرا بہت ہی

فانیؔ غم ناخدا نہ کرنا
کشتی کو تیری خدا بہت ہی

وہ نظر کامیاب ہو کے رہی　　دل کی بستی خراب ہو کے رہی
عشق کا نام کیوں کریں بدنام　　زندگی تھی عذاب ہو کے رہی
نگۂ شوق کا مآل نہ پوچھ　　سر بسر اضطراب ہو کے رہی
تم نے دیکھا کہ مرگ مظلومی　　جان صد انقلاب ہو کے رہی

چشم ساقی کہ تھی کبھی مخمور ۔ خود ہی آخر شراب ہو کے رہی
تاب نظارہ لا سکا نہ کوئی ۔ بے حجابی حجاب ہو کے رہی
حشر کے دن کسی کی ہر بیداد ۔ کرم بے حساب ہو کے رہی
سامنے دل کا آئینہ رکھ کر ۔ ہر ادا لاجواب ہو کے رہی
ہم سے فانی نہ چھپ سکا غمِ دوست ۔ آرزو بے نقاب ہو کے رہی

نہ خنجر بھی جو بسمل نہیں ہونے پاتے ۔ مر کے شرمندۂ قاتل نہیں ہونے پاتے
حرم و دیر کی گلیوں میں پڑے پھرتے ہیں ۔ بزم زنداں میں جو شامل نہیں ہونے پاتے
موج نے ڈوبنے والوں کو بہت کچھ پلٹا ۔ رُخ مگر جانب ساحل نہیں ہونے پاتے
دل تو سب کو تری سرکار سے مل جاتے ہیں ۔ درد جب تک نہ ملے دل نہیں ہونے پاتے
تو کہاں ہے کہ تیری راہ میں یہ کعبہ و دیر ۔ نقش بن جاتے ہیں منزل نہیں ہونے پاتے
کوئی چٹکی سی کلیجے میں لیے جاتا ہے ۔ ہم تری یاد سے غافل نہیں ہونے پاتے
ترا انعام سمجھتا ہوں ان ارمانوں کا ۔ مری کوشش کو جو حاصل نہیں ہونے پاتے
خود تجلی کو نہیں اذن حضوری فانی ۔ آئینے ان کے مقابل نہیں ہونے پاتے

موت بھی فرقت میں ٹل کر رہ گئی ۔ آخری صورت نکل کر رہ گئی
اہلِ دُنیا حشر جس کو کہہ اُٹھے ۔ وہ نظر کیا چال چل کر رہ گئی
جل رہے ہیں آج تک دل کے چراغ ۔ طور پر اک شمع جل کر رہ گئی
زندگی کی دوسری کروٹ تھی موت ۔ زندگی کروٹ بدل کر رہ گئی
لب رہے ناآشنائے دردِ دل ۔ آہ بھی دل سے نکل کر رہ گئی
چُن لیا تیری محبت نے مجھے ۔ اور دنیا ہاتھ مل کر رہ گئی

اب کہاں فانی وہ جوش اضطراب
کیا طبیعت تھی سنبھل کر رہ گئی

متفرق اشعار

کیا بلا تھی ادائے پرسش یار　　مجھ سے اظہار مدعا نہ ہؤا
وہ قیامت اٹھائے پھرتے ہیں　　آسماں آج زیر پا نہ ہؤا

دل ہی پھر تیر ہی جو دل میں نہیں　　تیر ان کا خطا نہیں ہوتا
دل برباد کیا ہؤا آخر　　کوئی ذرہ فنا نہیں ہوتا

آہ بتوں پر دل کیا آیا ہاتھ ہی سے نادان گیا
خیر بلا سے دل ہی جاتا جان گئی ایمان گیا

دل ہی وہ خانماں خراب نہیں　　جس کو توفیق اضطراب نہیں
میں ہی اپنا حجاب ہوں ورنہ　　تیرے منہ پر کوئی نقاب نہیں

ہی شان عبودیت مصروف دعا ہونا　　منظور مشیت تھا ہر نالہ رسا ہونا
بنیاد جہاں کیا ہی مجبور فنا ہونا　　سرمایۂ ہستی ہی محروم بقا ہونا

راز حقیقت جاننے والے دیکھیے اب کیا کہتے ہیں
دل کو ہم اپنا دل نہیں کہتے تیری تمنا کہتے ہیں

ہر نفس آہ اور انفاس پہ جینے کا مدار　　زندگی آہ مسلسل کے سوا کچھ بھی نہیں

ہجر میں نامراد زیست جی سے گزر نہ جائے کیوں — ہو جنھیں زندگی نصیب موت انھیں کو آئے کیوں
حسن سے راہ چاہیے ذوق نگاہ چاہیے — جب کوئی روبرو نہ ہو سامنے کوئی آئے کیوں

آ کے تماشا گاہ جہاں میں داد تماشا کیا چاہوں
یاں ہر ذرّہ کہتا ہے میں ذرّہ نہیں اک دُنیا ہوں
محو تماشا ہوں میں یارب یا مدہوش تماشا ہوں
اس نے کب کا پھیر لیا منہ اب کس کا منہ تکتا ہوں

ترے فراق میں حالت تباہ سی ہے تباہ — نہ دل پہ ہاتھ نہ اب سوئے آسماں ہے نگاہ
سرور وعدہ کہیں اور کہیں غم ناگاہ — خیال دوست کی نیرنگیاں خدا کی پناہ

شب گریۂ غم کے طوفاں کا وہ جوش وہ جوش ارے توبہ
ہر اشک اڈ کر کہتا تھا میں دل کے لہو کا دریا ہوں

ساز ہستی کو بس اب قُم کے اشارے سے نہ چھیڑ — اس میں ٹوٹے ہوئے دل کی نہ ہو آواز کہیں

آٹھ پہر کسی کی آنکھ بند کیوں نہ رہا کرے — دید ہو امید ہو کچھ بھی نہ ہو تو کیا کرے
ہے تیری بارگاہ میں حرف غلط ہر آرزو — کوئی دُعا نہیں قبول لاکھ کوئی دُعا کرے

کچھ آگہی سی اپنی حقیقت سے ہے مجھے — اُمید بے سبب تری رحمت سے ہے مجھے

غم کے ٹھوکے کچھ ہوں بلا سے آ کے جگا تو جاتے ہیں
ہم ہیں مگر وہ نیند کے ماتے جاگتے ہی سو جاتے ہیں

رسم بیداد دوست عام ہوئی　　تلخی زیست بھی حرام ہوئی

کہتے ہیں یہاں حضرت فانی تو نہیں ہیں　　اس انجمن ناز میں کیا ہم بھی کہیں ہیں

تو بھی تو ماسوا بھی تو ہی ہے　　رنگ و بو ننگ ہے نہ بو ہی ہے
پاس وضع حیات کیا کہنا　　آرزو ہے تو آرزو ہی ہے

گو ہستی تھی خواب پریشاں نیند کچھ ایسی گہری تھی
چونک اٹھتے تھے ہم گھبرا کر پھر بھی آنکھ نہ کھلتی تھی

دیکھ فانی وہ کوئی حشر اٹھاتا آیا　　چونک اب خواب لحد سے کہ سحر ہوتی ہے

کشتیٔ اعتبار توڑ کے دیکھ　　کہ خدا بھی ہے ناخدا ہی نہیں
میری ہستی گواہ ہے کہ مجھے　　تو کسی وقت بھولتا ہی نہیں

مجھے مرنے کی حسرت کار مشکل کی تمنا ہے　　مرادم بھی کسی ناکام کے دل کی تمنا ہے
اجل سے ہے دل مایوس کو امید آسائش　　مری ڈوبی ہوئی کشتی کو ساحل کی تمنا ہے

جینے کی ہوس بھی ہی مر رہنے کی حسرت بھی
وہ ایک تری مرضی جو غم بھی ہی راحت بھی
اس مشغلۂ غم میں کیا لطف حیات اُٹھے
ملتی ہی کہیں فانی مر رہنے کی فرصت بھی

ہی جو اس کان ملاحت سے طلب گار نمک
زخم دل شاید تبسم آفریں ہونے کو ہی
اللہ اللہ سرخیٔ رنگِ شفق کیوں ای جنوں
آسماں کیا کوئے قاتل کی زمیں ہونے کو ہی

مطلب ہی ضبط عشق سے تاثیر دردِ عشق
اخفائے حال سے غرض افشائے حال ہی
رودادِ مرگ و زیست ہی یہ قصہ مختصر
مجبورِ زندگی کو بھی جینا محال ہی

روح کا آنسوؤں بھری آنکھوں میں پا تراب ہی
آ کہ حیات مستعار نقش بروئے آب ہی
قاعدہ داں ضبط ہی شعلۂ غم کی داد دے
برق کی وضع پر نہ جا بندۂ اضطراب ہی

ای داغ دل ای کھوئے ہوئے دل کی نشانی
آ فانیٔ بے دل تجھے سینے سے لگا لے

عالم ہستی یا رب کیا آباد نما ویرانہ ہی
جس نے یہاں کچھ ہوش سنبھالا اس پہ وہی دیوانہ ہی
کس کو یہاں امید اثر ہم دل کو سمجھا لیتے ہیں
حال دل اس سے یوں کہتے ہیں گویا اک افسانہ ہی

میں بھی اک پرتو ہستی ہوں مگر کیا کہیے
قطرہ دریا سہی کس قطرے کو دریا کہیے
تھی نظر صرف تماشا وہ زمانہ گزرا
اب کوئی دن مری آنکھوں کو تماشا کہیے

جادو جگا گئی ہی جب سے نظر کی مستی
بے ہوش مستقل ہی اس رہ گزر کی بستی

قطعات

یاس ہی اور خاطرِ بے تاب
آرزو ہی نہ کوئی حسرت ہی
عمرِ جاوید اب عزیز نہیں
جانِ فانیؔ کو عزمِ رحلت ہی

اب وہ راتیں کہاں شباب کہاں
ہوگئی صبح وقتِ خواب کہاں
یاس ہی اب نہ آرزو فانیؔ
دل ہو بے تاب اب یہ تاب کہاں

دم لینے کی تو مہلت ملنا ہی چاہیے تھی
دن رات بحرِ غم میں کیا غرق چاہیے تھا
فانیؔ کی زندگی بھی کیا زندگی تھی یارب
موت اور زندگی میں کچھ فرق چاہیے تھا

قطعات در مدح

اعلیحضرت قدر قدرت، سکندر شوکت، دارا حشمت، فریدون منزلت، ہز اگزالٹڈ ہائینس
آصف جاہ سابع حضور پرنور نواب **میر عثمان علی خاں** بہادر فتح جنگ سلطان العلوم
جی۔ سی۔ ایس۔ آئی، جی۔ سی۔ بی۔ ای، شہریارِ دکن

شاہ عثماں آصف سابع امیر المومنیں
سچ تو یہ ہی آبروئے ملک و ملت تجھ سے ہی

تو ہی سلطان المعانی تو ہی سلطان العلوم
علم کی زینت ادب کی قدر و قیمت تجھ سے ہی

غیرت بغداد و رشک قرطبہ ہی آج کل
وہ دکن سارے جہاں میں جس کی شہرت تجھ سے ہی

تیرے دم سے آج بھی روشن ہی حکمت کا چراغ
آج بھی آباد بزم اہل ہمت تجھ سے ہی

گو ہماری پستیاں دنیا میں ہیں ضرب المثل
پھر بھی اپنی پستیوں میں شان رفعت تجھ سے ہی

حیف ان پر جو ترے دامن سے وابستہ نہیں
وہ مبارک قسمتیں ہیں جن کو نسبت تجھ سے ہی

کس کے دل میں درد ہی ارباب علم و فضل کا
ملک میں اہل ہنر کی آج عزت تجھ سے ہی

جو ہوا ہی چاہتی تھی کل حوادث کا شکار
اس زباں میں اب زباں بننے کی قدرت تجھ سے ہی

اللہ اللہ یہ ترا ایثار یہ غمخواریاں
مختصر یہ ہی کہ آج انساں عبارت تجھ سے ہی

ہی ترا حامی خدا حامی ہی تو مخلوق کا
تو سلامت رہ کہ آن اپنی سلامت تجھ سے ہی

تو سراپا فیض ہی عالم ہی دل دادہ ترا
ایک فانی کیا زمانے کو عقیدت تجھ سے ہی

قطعہ بتقریب سالگرہ سرسیّد احمد خاں بہادر

ادھر نگاہ ہی محو تصرفات جمال — ادھر جمال تصرف فریب ودیدہ فروش
نہ اعتبار شہود اور نہ غیب سے انکار — نہ عاقبت کی خبر اور نہ زندگی کا ہوش
مگر باین ہمہ عظمت یہ جانتا ہوں کہ ہیں — وہ ذرّہ ہوں جو ازل سے ہی کائنات بدوش
نہ میری فکر کو لازم ہی اعتراف وجود — نہ میری سعی کو درکار ہست و بود کا ہوش
میرا کلام ہی بیگانۂ اشارہ و حرف — میرے پیام کا حامل سکوت ہی نہ خروش
یقین ہی میری تدبیر غم میری تقدیر — ہر ابتلا ہی مجھے یاد دوست کا آغوش

یہ سب دیا تو خدا وہ زبان وہ دل بھی دے
جو دل گلہ نہ کرے جو زباں رہے خاموش

باغ نشاط کشمیر

ای یادگاہ عہد جہانگیر اے نشاط — ای بزم عیش رفتہ کی الٹی ہوئی بساط
ای مدفن شکستۂ پارینہ انبساط — دھندلا سا حسن وعشق کا ایک نقش ارتباط

کشمیر میں تو اب بھی ترا نام باغ ہی
تو ورنہ کائنات کے سینے کا داغ ہی

مانا کہ گل فروش کا دامن ہی اب بھی تو — گلہائے رنگ رنگ کا مخزن ہی اب بھی تو
مانا کہ عندلیب کا مسکن ہی اب بھی تو — بہکی ہوئی نگاہ میں گلشن ہی اب بھی تو

جاری ہی رسمِ آمدِ فصلِ بہار کی
ٹوٹی نہیں ہی آج بھی لَے آبشار کی

چشمے بلندیوں سے اُبلتے ہیں آج تک
ہر منزلِ نشیب پہ ڈھلتے ہیں آج تک
فوارہ ہائے آب اُچھلتے ہیں آج تک
تجھ میں درخت پھولتے پھلتے ہیں آج تک

لیکن نشاط تجھ میں وہ تیری سی بو نہیں
جس میں سلیم و نورجہاں تھے وہ تو نہیں

تضمین غزل مرزا غالب

کوئی آسان ہی ہر موج کا طوفاں ہونا
ہر گُلِ تازہ کو فردوس بداماں ہونا
ہر تجلّی کو فروغِ رُخِ جاناں ہونا
بس کہ دشوار ہی ہر کام کا آساں ہونا

آدمی کو بھی میسّر نہیں انساں ہونا

اب نہ وہ ہم ہیں نہ وہ شورشِ سودائے نشاط
اب نہ وہ دل ہی نہ وہ حسرتِ شب ہائے نشاط
لے مبارک ہو تجھے اے چمن آرائے نشاط
لے چلے خاک میں ہم داغِ تمنّائے نشاط

تو ہو اور آپ بصد رنگ گلستاں ہونا

جیتے جی میرے نہ کی اس نے خدا سے توبہ
اب ہوئی توبہ تو ہو میری بلا سے توبہ
کیا عداوت تھی اسے اہلِ وفا سے توبہ
کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ

ہائے اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

کم نہیں کوئی بھی ہنگامۂ حسرت غالب
پھر جسے اس کی محبت سے ہو نسبت غالب
وحشت اور پھر دلِ شوریدہ کی وحشت غالب
حیف اس چار گرہ کپڑے کی قیمت غالب

جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا

قطعہ دیگر

ای فلک تو ہی کامیاب سہی — میری حالت بہت خراب سہی
نہ سہی زندگی حریفِ نشاط — میری ہر سانس اک عذاب سہی
میری نظریں بغیر ذوقِ نظر — میری آنکھیں بغیر خواب سہی
سر میں اک شورشِ تلاشِ قرار — دل میں اک جوشِ اضطراب سہی
میری ہر سعی سعیِ ناشکور — میری ہر بات ناصواب سہی
نہ سہی التفات کے قابل — میں سزاوارِ اجتناب سہی
ننگِ ہستی وجود تو جس کا — میں ہی وہ خانماں خراب سہی
جس سے دنیا ہو بے سبب بیزار — میں ہی وہ درخورِ عتاب سہی
نہ سہی میری بیکسی کا جواب — آپ اپنا ہی میں جواب سہی
تا نہ پاؤں سکونِ یک ساعت — ہر نفس صرفِ انقلاب سہی
تا نہ بیٹھوں کسی جگہ تھک کر — ذرّے ذرّے کو اضطراب سہی
میری محرومیاں سخن کوتاہ — بے شمار اور بے حساب سہی
کچھ سہی مغتنم ہے میری ذات — لاکھ رسوا سہی خراب سہی
کوئی پوچھے یہ ناز کیوں ہے تو پھر — یہ حقیقت بھی بے نقاب سہی

بندۂ بارگاہِ عثماں ہوں
ذرّۂ خاکِ راہِ عثماں ہوں

شاہِ ذی جاہ شہریارِ دکن — صاحبِ تاج تاجدارِ دکن
آصفِ سابع و نظام الملک — کارفرمائے روزگارِ دکن
تو ہے سلطانِ ذی وقارِ علوم — تو خداوندِ اقتدارِ دکن

تیرے دم سے ہی بزم عیش آباد
تیری ہستی ہی اعتبار دکن

تو ہی سرچشمۂ ہزار اعزاز
تو ہی سرمایۂ بہار دکن

تیری تقدیر سازگار مراد
تیری تدبیر سازگار دکن

چشم بد دور مرجع آفاق
نازش ہند و افتخار دکن

تیری ایک ایک بات اک اک کام
مژدۂ راحت و قرار دکن

جن مراعات کی نظیر نہیں
وہ مراعات ہیں بہ کار دکن

تو نے کایا سی کچھ پلٹ دی ہی
چمنستاں ہی کوہسار دکن

ہیں تری سرفرازیوں کے گواہ
قصر و ایوان زرنگار دکن

جم گئی جس طرف نگاہ گئی
عین منزل ہی رہ گزار دکن

شاہ عثماں تجھے مبارک ہو
وسعتِ دولتِ دیارِ دکن

فیض جاری ترا شعار رہے
جاں نثاری رہے شعارِ دکن

مجھ کو نسبت تری جناب سے ہو
وہ جو ذرّے کو آفتاب سے ہو

قطعہ
بتقریب جشن سالگرہ

رشتۂ عمر دراز شاہ کی اک اک گرہ
فالِ صد نصرت ہو یارب شاہ ذی شاں کے لیے

ہر گرہ میں یوں ہی مضمر ہو کشودِ کارِ خلق
ہر برس لائے یہی دن میر عثماں کے لیے

نامہ ہائے منظوم

ماہ مئی ۱۹۳۲ء

بگرامی خدمت ہز ایکسلنسی مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر المتخلص بہ شاد

صدر اعظم دولت آصفیہ حیدرآباد دکن

ای مہاراجہ بہادر سر کشن پرشاد شاد
واسطہ اس بے کسی کا جس کو نسبت مجھ سے ہی

واسطہ اس جبر کل کا جس سے خلقت ہی مراد
واسطہ اس عجز کل کا جو عبارت مجھ سے ہی

واسطہ اس شان رفعت کا جو حاصل ہی تجھے
واسطہ ان پستیوں کا جن میں رفعت مجھ سے ہی

واسطہ ارباب فن کی کس مپرسی کا تجھے
تجھ کو اس فن کی قسم اب جس کی عزت مجھ سے ہی

جس میں سودا شعر فانی کا ہی اس سر کی قسم
ہاں اور اس دل کی قسم جس کو محبت مجھ سے ہی

جس سے میں بیزار ہوں اس زندگانی کی قسم
اس جوانی کی قسم اب جس کو نفرت مجھ سے ہی

کیوں نہیں ملتا مجھے میرے کسی خط کا جواب
کچھ تو ہو معلوم آخر کیا شکایت مجھ سے ہی

اس تغافل کا سبب یہ کج ادائی کس لیے
اس قدر بیزار کیوں تیری عنایت مجھ سے ہی

میں نے یہ مانا کہ مفلس ہوں تونگر میں نہیں
میں نے یہ مانا کہ کوسوں دور ثروت مجھ سے ہی

میں نے یہ مانا کہ حاجتمند ہوں محتاج ہوں
میں نے یہ مانا بہت برگشتہ قسمت مجھ سے ہی

ہر ہنر سے میں نے یہ مانا کہ میں بیگانہ ہوں
کسب زر کو میں نے یہ مانا عداوت مجھ سے ہی

میں نے مانا دشمن اب رہتے ہیں میرے حال پر
میں نے مانا دوستوں کو درس عبرت مجھ سے ہی

میں نے مانا اس زمیں پر بار ہی میرا وجود
میں نے مانا ایک عالم کو اذیت مجھ سے ہی

کچھ سہی لیکن یہ ممکن ہی کہ تو بھولے مجھے
یاد ہی تیرا جو پیمانِ مروت مجھ سے ہی

مجھ پہ تو احساں کرے اور بھولنا چاہے تو خیر
میں نہ بھولوں گا جو تیرے در کو نسبت مجھ سے ہی

بنام حافظ امام الدین آمام اکبر آبادی

ماہ جنوری سنہ ۱۹۳۳ء

از حیدر آباد دکن

مشفق و مہرباں جناب امام — خط ملا بعد انتظار تمام

خط کے ہمراہ یہ پیام بھی تھا — یاد ہے دوستوں کو تیرا نام

لیکن اس نامۂ محبت نے — زخم دل پر کیا نمک کا کام

چاہتا ہوں کہ تم کو لکھ بھیجوں — ماجرائے ضروری الارقام

گرچہ تھی صبح آگرہ بے نور — اوج پر تھا مگر ستارۂ شام

اور پہنچنا ہی چاہتا تھا مجھے — حسن اول کا آخری پیغام

کہ یکایک فلک نے کروٹ لی — اور کیا فتنہ جو نے اپنا کام

سیکڑوں کوس آگرے سے دور — پھینک کر بھی نہیں لیا آرام

دل احباب سے بھی دور کیا — بند کی راہ نامۂ و پیغام

حیدر آباد ہے اب اور ہم ہیں — دیکھنے کو بھی وہ سحر ہے نہ شام

کون غربت میں غمگسار غریب — کس کو پردیسیوں کے کام سے کام

جوش و آزاد نے کسی حد تک — کی تلافیٔ گردشِ ایّام

تھی مگر پھر بھی کس کے بس کی بات — حیدر آباد میں یہ طولِ قیام

ہاں مگر ایک بات اور صرف ایک — دوسرا ہو تو لوں میں اس کا نام

وہ مہاراجہ سر کشن پرشاد — منبعِ جود و مصدرِ اکرام

جس کے در سے نہیں کوئی محروم — جس کے دم سے ہے لطفِ خاص بھی عام

یہ وہ ہستی ہے جس کے فیض سے ہے — کوئی دن اس دیار میں بھی قیام

اس کا اقبال اس کے دولت و عمر — سب کو اللہ دے ثبات و دوام
یہ ہی روداد ابتدائے سفر — اب جو اس ابتدا کا ہو انجام
یاد رکھیے دعائے خیر کے ساتھ — اک سلام اور بعد ختم کلام
ہاں مگر اک سلام شوق ہی اور — بامید جواب شوق و سلام

رباعیات

غم عین نشاط و راز تخلیق نشاط
غم حجت انبساط و تصدیق نشاط
غم کا ہی تبسم جسے کہتے ہیں وجود
ہستی کو ہی غم کے دم سے توفیق نشاط

یہ ارض و سما یہ انس و جاں ہیں الفاظ
الفاظ کے معنی بھی یہاں ہیں الفاظ
اک معنی بے لفظ ہی عالم فانیؔ
معنی کی لطافت پہ گراں ہیں الفاظ

کیا جانیے کس کی جستجو جاری ہی
اک عمر سے رسم آرزو جاری ہی
کچھ اپنی زباں میں دل کہے جاتا ہی
بے سمجھی ہوئی سی گفتگو جاری ہی

منہ میں ہی زبان کچھ نہ کہنے کے لیے
اسباب طرب ہیں رنج سہنے کے لیے
اثبات سے اثبات کی ضد ہی مقصود
زندہ ہیں فقط زندہ نہ رہنے کے لیے

کیا کہیے کہ مدعائے تحقیق یہ ہی
خود کھو گئے ماجرائے تحقیق یہ ہی
تو کیا ہی یہ ابتدائے تحقیق سہی
ہم کچھ نہیں انتہائے تحقیق یہ ہی

وہ یاد جو محو ہوش پاتی ہی مجھے
چونکا کے عجب سماں دکھاتی ہی مجھے
ہر بو میں جھلکتا ہی رخ یار کا رنگ
ہر رنگ میں بوئے یار آتی ہی مجھے

بیگانۂ ہجر ہو کے مہجور رہے
رحمت سے قریب رہ کے ہم دور رہے
عصمت رہی احساس خطا میں مضمر
مختار سمجھتے رہے مجبور رہے

تنزیہہ ہی اس کی ہر صفت کا مقصود
وہ ایک ہی یعنی نہیں کثرت کا وجود
تحدید کا پہلو نہیں وحدت میں کہ ہی
انکار تعین بزبان محدود

دل سے تیری ہی گفتگو کافی ہی
تجھ سے تیری ہی آرزو کافی ہی
فانی ہو کہ باقی ہو وہ دنیا ہو کہ خلد
درکار نہیں کہ ایک تو کافی ہی

ہستی کے نہ آغاز نہ انجام میں دخل
تکلیف پہ قابو ہی نہ آرام میں دخل
اک سانس پہ عمر بھر کبھی بس نہ چلا
مختار ہوں اور نہیں کسی کام میں دخل

ہر لمحہ گزرنے کو ہی یا گزرا ہی
ہنگام عمل دیکھیے کب آتا ہی
ٹھہرے گا کبھی وقت تو ہوگا امروز
فی الحال زمانہ دی ہی یا فردا ہی

کب کوئی کسی کے لیے غم کھاتا ہی
وہ نیک ہی جو بدی سے ڈر جاتا ہی
امکان ہی اپنی بیکسی کا بھی کبھی
اس خوف سے بیکس پہ ترس آتا ہی

اس سمت تقاضا کہ ادھر ایک نگاہ
اس سمت فریب وعدۂ شام و پگاہ
یہ کشمکش رد و قبول اور فانی
لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ

سچ ہی کہ محبت میں اثر ہوتا ہی
جو چاہیے وہ نہیں مگر ہوتا ہی
جتنا متوقع ہو خبر کا کوئی
اتنا ہی وہ اور بے خبر ہوتا ہی

اک کلمۂ شوق لب پہ لایا نہ گیا
افسانۂ آرزو سنایا نہ گیا
فانی ارنی نہ اپنے منہ سے نکالا
احسان تجلی بھی اٹھایا نہ گیا

انوار کے پردوں میں سیاہی توبہ
اغراض کی دوستی الٰہی توبہ
فانی جنھیں دشمنی سمجھنا ہی محال
ان دشمنیوں کی بے پناہی توبہ

نیرنگ زمانہ رنگ دُنیا دیکھا
کیا کہیے کہ ہم نے کیا کیا دیکھا
تدبیر نے جو کنوئیں جھکائے جھانکے
تقدیر نے جو ہمیں دکھایا دیکھا

تکمیل بشر نہیں ہی سلطاں ہونا
یا صف میں فرشتوں کی نمایاں ہونا
تکمیل ہی عجز بندگی کا احساس
انسان کی معراج ہی انساں ہونا

تھا باغ مرقع تمنا اپنا
صحرا سو وہ اک نقش جنوں تھا اپنا
ہم بزم حواس میں اکیلے ہی رہے
دیکھا کیے دور سے تماشا اپنا

اے راہ روِ جادۂ دنیائے یقیں
چل خاک پہ قدموں کی عوض رکھ کے جبیں
نقش قدم دوست ہیں یہ پست و بلند
ہلکے ہیں کہیں یہ نقش گہرے ہیں کہیں

دیوانہ صفت گزار بے ہوش گزر
پستی و بلندی سے ہم آغوش گزر
نیرنگ نگاہ و گوش ہی ہر ذرّہ
حیراں گزر اس راہ سے خاموش گزر

وقت اپنا سبھی طرح گزر جاتا ہی
اچھی کہ بری طرح گزر جاتا ہی
جو لمحہ کسی طرح گزرتا ہی نہیں
فی الجملہ کسی طرح گزر جاتا ہی

وہ حور کو چاہا کہ پری کو چاہا
چاہا اسے ہم نے جس کسی کو چاہا
سو رنگ سے تھی دل میں تمنا اس کی
جب اس کو نہ چاہا تو اسی کو چاہا

دل ہو ہمہ جوشش زندگانی یہ ہی
مایوس نہ رہیے کامرانی یہ ہی
ہر فتح کی بنیاد ہی انکار شکست
مانوس ہو غم سے شادمانی یہ ہی

بندہ کوئی ایسا بھی خدا کا ہوگا
جس کا چاہا فلک کا چاہا ہوگا
مر مر کے تو ہم بھی جی رہے ہیں فآنی
جینے کی طرح بھی کوئی جیتا ہوگا

کتنوں کو جگر کا زخم سیتے دیکھا
دیکھا جسے خون دل ہی پیتے دیکھا
اب تک روتے تھے مرنے والوں کو اور اب
ہم رو دیے جب کسی کو جیتے دیکھا

ناقص ہی عطا نہ زندگانی محدود
ہی بہر حصول خلقت ہر مقصود
فآنی جس کا حصول ناممکن ہی
ممکن نہیں دل میں اس تمنا کا وجود

دے کر یارب تونگری کی توفیق
دی اہل تکبر کو خودی کی توفیق
بندوں کو خدا بنا کے دیکھا تو نے
اب ان کو عطا ہو بندگی کی توفیق

جاہل خود اور خود اہل عرفاں ہونا
خود تشنہ لب اور خود آب حیواں ہونا
اضداد کا امتزاج کچھ کھیل نہیں
مشکل ہے کوئی کام تو انساں ہونا

ہر چند بہت بے سر و ساماں ہوں میں
اور قصر گناہ پر پشیماں ہوں میں
لیکن یہ غنیمت ہے فرشتہ میں نہیں
بخشش کو یہ کافی ہے کہ انساں ہوں میں

وہ بھید ہوں فانی جو کوئی پا نہ سکے
وہ بات ہوں جو خیال میں آ نہ سکے
قادر ہو وہ عمر بھر جیے جانے پر
جو تاب عذاب یک نفس لا نہ سکے

ہاں بعد خزاں بہار آجاتی ہے
ایک لمحۂ عیش بعد غم لاتی ہے
ایک اپنی ہی عید پھر نہ پلٹی ورنہ
اب تک رمضان کے بعد عید آتی ہے

کیا جام مئے ہوش رُبا دیتا ہے
کیا مژدۂ ردّ ہر بلا دیتا ہے
ہر قطرۂ مے ہے خون صد عیش بدوش
مے دے کے فریب عیش کیا دیتا ہے

آنکھوں سے جو خون دل بہے بہنے دے
تخفیف نہ چاہ دل کو غم سہنے دے
غم میں یہ تصرف ہے خیانت فانی
غم اس کی امانت ہے یونہی رہنے دے

بجھتی ہی نہیں شمع جلے جاتی ہے
کٹتی ہی نہیں رات ڈھلے جاتی ہے
جاری ہے نفس کی آمد و شد فانی
سینے میں چھری ہے کہ چلے جاتی ہے

دل ہے وہی اضطراب کی خو نہ سہی
غم ہے وہی اظہار کا پہلو نہ سہی
آنسو تھے تو آنسوؤں سے رو لیتے تھے
روتے اب بھی ہیں خیر آنسو نہ سہی

اب یہ بھی نہیں کہ نام تو لیتے ہیں
دامن فقط اشکوں سے بھگو لیتے ہیں
ہم اب ترا نام لے کے روتے بھی نہیں
سنتے ہیں ترا نام تو رو لیتے ہیں

ہر شے میں نگاہ شوق پاتی ہے تجھے
دوری گویا قریب لاتی ہے تجھے
پھولوں کی مہک یاد دلانے والے
پھولوں کی مہک یاد دلاتی ہے تجھے

کلیاں کھلتی ہیں پھول کھلاتے ہیں
جلوے بے باک ہو کے چھپ جاتے ہیں
دل جن کے ادا شناس ہر رنگ نہیں
فانی اس باغ میں وہ کیوں آتے ہیں

چاہے سے بدلتی ہے مشیت بھی کہیں
چھپتی ہے چھپائے سے حقیقت بھی کہیں
غم مے سے غلط نہ کر کہ غم قسمت ہے
پلٹی ہے غلط کیے سے قسمت بھی کہیں

غم راز بقا نظام یک عالم ہے
غم مے سے غلط ہو یہ توقع کم ہے
ہے ردّ حقیقت بھی حقیقت فانی
بالفرض غلط بھی ہو تو غم پھر غم ہے

ہستی فقط اک دورِ مسلسل ہی نہیں
ہر خلق جدید ہی لطافت سے قریں
کلیوں کو سب نے پھول بنتے دیکھا
کلیاں بنتے بھی پھول دیکھے ہیں کہیں

کس روز یہ دل کفر کا مسکن نہ ہوا
کس شرک سے آلودہ یہ دامن نہ ہوا
ہم نے سو طرح دشمنی دوست سے کی
اللہ ری دوستی وہ دشمن نہ ہوا

گو خار ہوں جب یادِ چمن آتی ہی
انگاروں پہ لوٹتے ہی بن آتی ہی
کافر ہوں جو فردوس میں چین آتا ہو
دوزخ سے بھی جب بوئے وطن آتی ہی

ای فتنۂ روزگار آہستہ گزر
آشوبِ دلِ فگار آہستہ گزر
نازک ہی بہت دماغ اربابِ جنوں
ای نکہتِ زلفِ یار آہستہ گزر

جاہل ہی نے پایا ہی نہ عالم نے تجھے
مخفی رکھا ضمیرِ مجرم نے تجھے
لیکن یہ حجابِ قدر آخر کب تک
پہچان لیا فسخِ عزائم نے تجھے

یہ رات یہ ابر یہ ہوا کے جھونکے
یہ راگ ہوا کے ساز پر بوندوں کے
پھر دل میں وہ یاد کے نشتر آئی
پھر زخم ہرے ہو گئے رہے برسوں کے

قطرے کو یہاں سحاب بھی کہتے ہیں
دریا ہی جسے حباب بھی کہتے ہیں
ہر جزو بجائے خویش کل ہی فانی
ذرّے ہی کو آفتاب بھی کہتے ہیں

کیا خضرِ طریق کہہ کے رہزن کہتے
بنتی نہیں موم کہہ کے آہن کہتے
ورنہ وہ دوستوں نے ایذا دی ہی
شرم آتی ہی دشمنوں کو دشمن کہتے

فانی جب دل نہیں تو دنیا بھی نہیں
اب عیش عزیز کیا گوارا بھی نہیں
جینے کی تمنا کو زمانہ گزرا
اب خیر سے مرنے کی تمنا بھی نہیں

اک شمع کی سو روپ میں تنویریں ہیں
اک حرف کی سو رنگ میں تحریریں ہیں
بن جاتی ہی ہر نگاہ منظر فانی
جو دیکھ رہا ہوں میری تصویریں ہیں

رودادِ غم ہوش ہی وابستۂ کُن
کانٹا نہ نکال پھول دیکھ اور چُن
فانی افسانۂ مکمل ہی حیات
سن اور با امید رد و اصلاح نہ سُن

دنیا کہیں دوزخ ہی کہیں خلد بریں
دل ہی وہی ایک شاد ہی ایک حزیں
یہ ذرّہ چمک اٹھا وہ تاریک ہوا
جم کر نہ رہی شعاعِ خورشید کہیں

بلبل کی حیات کا تقاضا ہی کچھ اور
پھولوں کی جو دنیا ہی وہ دنیا ہی کچھ اور
گو نالۂ مجبور بھی آساں نہیں
مجبوری خندہ ہائے بے جا ہی کچھ اور

ناکام ازل کی کامرانی معلوم
قسمت میں نہ ہو تو شادمانی معلوم
جینے سے مراد ہی نہ مرنا شاید
ورنہ فانی کی زندگانی معلوم

بلبل کو چمن کی زندگی راس آئی
پھولوں کو غریب الوطنی راس آئی
فانی کو نہ زندگی میں راس آیا کچھ
آئی بھی تو ایک موت ہی راس آئی

کچھ خیر سے یاد یار میں گزری عمر
کچھ موت کے انتظار میں گزری عمر
آیا بھی اگر ہوش تو بے چین رہے
کچھ نشہ میں کچھ خمار میں گزری عمر

کچھ کام نہیں تو کام کر جانے دے
یارب دنیا سے اب گزر جانے دے
مر مر کے جیے جائے کہاں تک فانی
جینا نہیں منظور تو مر جانے دے

نیرنگیِ حسیّات و جذبات ہوں میں
جو فہم سے ہو بعید وہ بات ہوں میں
جس رات کے دو پہر ہوں ہستی و عدم
فانی بیمار غم کی وہ رات ہوں میں

آماج گہِ ناوک آفات ہوں میں
تلخی کش زہر عیش مافات ہوں میں
عبرت کدۂ دہر میں شاید فانی
جینا ہی گناہ اور مکافات ہوں میں

ناعاقبت اندیش قیامت کو سمجھ
مظلوم سے ڈر خدا کی عادت کو سمجھ
یہ عرش کو سو بار ہلا آئی ہے
آواز شکست دل کی طاقت کو سمجھ

کشمیر میں حال اہل کشمیر تو دیکھ
ہر پاؤں میں افلاس کی زنجیر تو دیکھ
سمجھے ہم کیا تھے دیکھتے ہم کیا ہیں
کشمیر کے خواب! اپنی تعبیر تو دیکھ

اس باغ میں جو کلی نظر آتی ہے
تصویر فسردگی نظر آتی ہے
کشمیر میں ہر حسین صورت فانی
مٹی میں ملی ہوئی نظر آتی ہے

پھولوں کی نظر نواز رنگت دیکھی
مخلوق کی دل گداز حالت دیکھی
قدرت کا کرشمہ نظر آیا کشمیر
دوزخ میں سموئی ہوئی جنت دیکھی

عرض حال

یاد ایام عیش برنائی — ہم ہیں اب اور کنج تنہائی
نہ رہی آرزوئے صبر شکن — اب نہیں حسرت شکیبائی
سر نظارۂ جمال نہیں — اپنے ہم آپ ہیں تماشائی
بھول بیٹھے ہم اک زمانہ ہوا — محفل آرائی و خود آرائی
دل کہ تھا آشنائے ذوق نظر — ہم کہ تھے وصل کے تمنائی
ہم وہی ، دل وہی سہی لیکن — نہ وہ سودا نہ ہم وہ سودائی
اب نہ وہ آہ دمبدم کا ہجوم — اب نہ وہ غم کی کارفرمائی
فرصت شوق ہے نہ رخصت ہوش — کوچہ گردی نہ دشت پیمائی
لحن بلبل جگر خراش ہے اب — نہیں بھاتی گلوں کی رعنائی
دل ہی مرجھا گیا نہ ہو اپنا — کہ چمن میں تو ہے بہار آئی
کیجیے اب وداع سیر چمن — خار ہے وہ کلی جو مرجھائی
آ اب اے مرگ ناگہانی آ — سخت مضطر ہیں تیرے شیدائی
چارۂ دردِ زندگی تو ہے — کر اگر ہو سکے مسیحائی

فانیؔ تلخ کام کی امید
تو اگر آ گئی تو بر آئی

ضمیمہ باقیاتِ فانؔی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ساقی خمے از بادۂ دوشیں بہ چہ جام است — زخمے است مرا در دل و مرہم نہ حرام است
خونم ہدر انگار کہ قاتل نہ شناسم — دانم کہ ادائیست و ندانم کہ کدام است
از جلوتیاں لذت عیش نگہے پرس — بر خلوتیاں فرصت نظارہ حرام است
دم در کش و دل خوں کن و ہر قطرہ بجوش آر — از نالہ مجو کام کہ ایں شیوۂ عام است
در مسلک ما لغزش پا خضر طریق است — از میکدہ تا کعبۂ کویش دو سہ گام است
نازم چمنے را کہ نیازم بہ قفس نیست — ہر غنچہ کہ دل می کشدم حلقۂ دام است

فانی ز حیات من آشفتہ چہ پرسند
مرگے ست کہ از ہستئ جاوید پیام است

ز حسن و عشق چو گویند داستان من است — غم تو جان من است و وفا جہان من است
شرار برق کجائی کہ گوشۂ قفسم — بہ التفات تو ارزد کہ آشیان من است
نہ یافتم ز حریمش نشان و نوبت کار — بہ دل رسید و ہماں سنگ آستان من است
ز حد خویش گزشتن بہ حد خویشم برد — ہر آں نشاں کہ بہ ذاتش و ہم نشان من است
ز لطف دوست مرا نیمۂ نگاہ بس است — متاع خلد نہ جویم کہ رائیگان من است

بہ غربتم کہ بہ ہر قریہ ام وطن پیدا است — بہ ہر زمیں کہ شدم زیر آسمان من است

بہ رنج خستگیم بخشش و از گناہ مپرس
بگو کہ فانیؔ عاصی زخستگان من است

افشاندن جان جز بہ حضور تو روا نیست — در عہد غم ہجر تو آئین فنا نیست
نازم بہ جمال تو کہ برق است و بلا نیست — سازم بہ غم عشق کہ درد است و دوا نیست
غیب است شہودم ز دیار دگرستم — عالم عدم ماست کہ از عالم ما نیست
کونین بہ معاوضہ نمودند و ندیدیم — آغوش فضائے کہ بہ سودائے تو وا نیست
ناخواستہ جاں بخشی و نا دادہ ستانی — فارغ ز غم سعیم و حاجت بہ دعا نیست
بگزار قفس را کہ بہ پرواز درآید — دارم سخنے با گل و راہم بہ صبا نیست

خواہان کرم نیست پرستار کریم است
فانیؔ بدرت ناصیہ فرساست گدا نیست

نور ز صبح وصال بخت سیاہم ربود — جلوۂ ناگاہ دوست تاب نگاہم ربود
برق جمالش ز دل صبر بہ تاراج بُرد — آنچہ ازو باز ماند شعلۂ آہم ربود
شکوۂ بختم چرا است کام دلم چوں دہد — ناشدہ شام وصال بیم پگاہم ربود
محرم راز است وہم رفتہ، راز است دل — کاہ ربا بودم و مستی کاہم ربود
خیر عمل را مسنج باز بسعیم بہ بخش — عزم حرم داشتم دیر ز راہم ربود

از دل فانیؔ چہ گفت گفت کہ ما بُردہ ایم
باز زجاں گفتمش گفت کہ خواہم ربود

بار خاطر شادم تلخی غم از من پرس — صرف عیش بربادم شوخی رم از من پرس
خامہ را زبانستم لوح را نشانستم — حرف کن فکاں استم راز عالم از من پرس
محرم مثالم من نکتہ دان حالم من — آدمے ہم از من جوے خلد راہم از من پرس

نعمتے ست عیش اما نعمتے د پایانے
نعمتے ست بے پایاں لذت غم از من پرس

حسن بے تماشا را، عشوہ ہا تو می دانی
چشم بے تماشا را اشک پیہم از من پرس

بے خبر از تو چو اغیار منے ساختہ ام
سخنے ساختہ اند و سخنے ساختہ ام

حسن یک پرتوِ عشقے است کہ از ما خیزد
صنمے ساختہ ام برہمنے ساختہ ام

دہر خلوت گہ اسرار نہاں است ولے
از پئے دفع نظر انجمنے ساختہ ام

نقش ہا بستہ ام از خونِ شہیدانِ چمن
ورق لالہ ز خونیں کفنے ساختہ ام

گنہے کردہ ام و عذر گنہ می بایست
حیلہ پرداختہ ام اہرمنے ساختہ ام

دل بہ ایمائے نظر جلوہ معیّن می خواست
کردہ ام طرح زمین و زمنے ساختہ ام

ایں خطائیست کہ عفوم نہ کنند شش فانیؔ
کہ من از خاک بدایوں وطنے ساختہ ام

دل را بہ نیم جنبش مژگاں فروختیم
دیوانہ مفت تست کہ ارزاں فروختیم

از ما حدیثِ گرمئ بازارِ گل مپرس
جیبے کہ داشتیم بہ داماں فروختیم

از آنِ ماست بے سرو سامانئے کہ ہست
سامان بہ عشق بے سرو ساماں فروختیم

بر روئے اشک شرح عذابے نوشتہ ایم
رازیست آتشے کہ بہ آبے نوشتہ ایم

ایں فتنۂ جمال کہ گو بند عالمیست
فصلے ز اعتبار حجابے نوشتہ ایم

یارب بہ نامۂ عملم خردہ مگیر
فرہنگ حرف ہوش بہ خوابے نوشتہ ایم

مہر فنا بہ لب زدم و دیدہ دوختیم
آداب انتظار جوابے نوشتہ ایم

از راحت زمانہ جراحت عبارتست
آبے نوشتہ اند و سرابے نوشتہ ایم

داغے بہ دل سپردم و دوزخ بہ جان داغ
تاریخ روزگار شبابے نوشتہ ایم

فانی دریں صحیفہ امکاں بہ نام تو
ہر جا کہ ہست خانہ خرابے نوشتہ ایم

حیف است در فراق تو مسرور زیستن — آوخ بہ یاد چشم تو مخمور زیستن
از بخت واژگوں بہ دل و دیدہ ام رسد — با مژدۂ وصال تو مہجور زیستن
از ما ہر آنچہ رفت نہ از ما بود کہ بود — مقدور عارفان تو مجبور زیستن
در ہا کشودۂ بہ من از فقر واز غنا — مائیم و شاد مردن و رنجور زیستن
کج کن کلاہ خسروی دل بہ رغم ہوش — سہل است ہمچو قیصر و فغفور زیستن
از ما مجو نشان ز سرور و سرور ہوش — از ما مخواہ زیستن و دور زیستن

نازم بہ تکیہ کردن فانی بہ لطف دوست
ای وا غیور مردن و مغرور زیستن

دلے دارم بخوں غلطیدۂ از جور بے نامے — خود آرائے و خود بینے خداوندے و خود کامے
بہ ذکرش صبح ما سینا بہ فکرش شام ما ایمن — مرا صبحے است وہم شامے خوشا صبح خوشا شامے
بہ عنوانِ نفس رنجے ز غیبم می رسد امّا — بہر فرمان غیبم می رسد از دوست پیغامے
قفس پروردہ و نا آشنائے آشیانستم — بہ مرغان چمن ارزو صلائے دانہ و دامے

خراب لطف و ہنگامیم آہ از حال ما فانی
کرم وابستۂ لطفش اجل موقوف ہنگامے

فتنۂ عشق بہ دلہا سر زد — حسن عالم بہ تماشا ارزد
طالعم گردش افلاک بسوخت — اختر مارہ صد اختر زد
غم او خون دل از اشکم ریخت — نشتر آورد و رگ گوہر زد
عندلیبے کہ نوالیش دادند — بہوائے چمن ما پر زد
مغفرت حیلہ تقاضا می کرد — رحمتش قرعہ بہ چشم تر زد

شررۂ عشق کہ شعر شش نامند　　زد دلم جست و بہ جانہا در زد
فانی از دیر و حرم ہم بگسست
دوشش دیدم کہ در دیگر زد

یارب صلۂ رنج فراوانم کو　　تعبیر حیات خواب سامانم کو
کو جلوہ کہ جاں نذر لقائے تو کنم　　قربان تو عید عید قربانم کو

خاک پائے بندگان درگہ عشقیم ما　　ہر کجا صیدے بدام اوست صیاد من است
می ندانم تا بہ محشر اعتبار سجدہ چیست　　ایں قدر دانم کہ ہیچ است و جبیں زاد من است

تقریظ

عالیجناب مہاراجہ یمین السلطنت سر کشن پرشاد بہادر شادؔ دام اقبالہم

شاعری کیا ہی اک احساس قوانین وجود　　دل کے جذبات کا اظہار بتائید قیود
برہمن ہی دل شاعر بت فطرت معبود　　جلوہ پیرائے ازل کا ہی جہاں حسن نمود
جب نظر راز کے پردوں سے گزر جاتی ہی
دل کے آئینہ پہ تصویر اُتر آتی ہی

دل ہی شاعر کا کہ اک منزل انوار جمال　　اور جولاں گہ دل وسعت میدان خیال
نغمہ زن ہوتا ہی جب مست سخن صاحب قال　　بزم فطرت میں ہر اک چیز کو آجاتا ہی حال
کوہ جھک جاتے ہیں اشعار کی موسیقی سے
چشمے رک جاتے ہیں اشعار کی موسیقی سے

میز پر اک آئینہ رکھا ہے جس میں طرح طرح کی دل فروز صورتیں نظر آ رہی ہیں۔ سطح کاغذ پر کچھ اس قسم کے موتی بکھرے ہیں جنھوں نے انجم کا بازار سرد کر دیا ہے۔ مشتاق نگاہوں کو انوار طور کے جلوے نظر آ رہے ہیں۔

یہ آئینۂ دل فروز کیا ہے۔ لو ہم دکھاتے ہیں دیکھو۔ کلیم طور سخندانی رمز آشنائے نکات زبان دانی شوکت علی خاں فانی کا دوسرا دیوان ہے۔ دیوان کیا ہے۔ سخن سنجوں کو محو حیرت بنانے کا بے زنگ آئینہ ہے۔

مضامین کی دشوار گزار گھاٹیوں کو طے کرنا، فصاحت کا چمن سحاب نطق سے سرسبز و شاداب کر دینا، بلاغت کی تاروں بھری رات میں الفاظ کی قدرتی قندیل سے اعلیٰ درجہ کی روشنی پر قبضہ حاصل کرنا، معاملہ بندی کے سنسان اور ڈراونے جنگل کے ہرے ہرے درختوں کی کاٹ چھانٹ میں مشغول ہونا **فانی** ہی جیسے قادر الکلام شاعر کا کام ہے۔ یوں تو شب ہجر کا سناٹا، بخت خفتہ کی شکایت، اندھیری رات کا سماں، کواکب سحری کی مایوسانہ رخصت ہر شاعر نے لکھی ہے۔ یوں تو فراق کی گھڑیاں، دل کا اضطراب، طبیعت کی بے چینی، زمانے کی سرد مہری، ناکامیوں کی تصویر ہر شاعر نے کھینچی ہے۔ یوں تو ستم زدوں کی آہ، جسم کی لاغری، چہرے کی بے رونقی کا ہر شاعر نے رونا رویا ہے۔ گل و بلبل کے جھگڑے، قمری و سرو کے معاملات، شمع و پروانہ کا عشق کون نہیں جانتا۔ مگر فانی نے ریگستان سخن سے ایسے ایسے چمکیلے ذرّوں کو چُنا ہے کہ تاریک دلوں میں شب قدر کا اُجالا ہو گیا۔ اچھوتے خیالات اس دیوان میں اس طرح نظر آ رہے ہیں جیسے دریا کی اٹھتی ہوئی موجوں میں پنجۂ خورشید عالم تاب کی شعاعوں کا عکس۔ اختر داغ جگر میں کچھ ایسی روشنی کوٹ کر بھر دی ہے کہ عطارد کی طرح اہل قلم چکر میں آ گئے۔ ظلمت کدۂ دل میں خیال یار کا آنا ایسا لکھا ہے کہ گویا کنج مزار میں چاندنی چھٹکی ہے۔ جذبۂ الفت کی خداداد کشش کا ایسا چربہ اتارا ہے کہ ہرے بھرے درختوں کی قوت نامیہ کا جوش پھولوں کی

دل آویز خوشبوؤں میں مل گیا۔ شوق کی ترقی کا ثبوت ایسے پیچیدہ الفاظ میں ادا کیا ہی کہ محبوب بھی اپنے شیفتہ کی جھلک ظاہر کرتا ہی۔ استعارات، تشبیہات، معاملات کے ذریعے سے یہ دیوان آراستہ ہی۔ نفیس مضامین، پاکیزہ خیال، سطریں دام حسن، نقاط دانۂ خال، جداول انہار کوثر سے بڑھ کر۔ خدا حسن قبول دے۔ قطعہ تاریخ فقیر شاد صوفی سے بھی سن لیجیے۔

ستم ظریفی فانی کے ہم بھی قائل ہیں — جو شاعروں میں ہیں اک طرز خاص کے بانی
کلیم طور فصاحت جوان کو کہیے بجا — بنایا صفحہ کو وادی ایمن ثانی
کلام ان کا ہی مشّاقی سخن کا ثبوت — زمین شعر کو ہر طرح سے کیا پانی
ہی ان کے زیر نگیں مملکت فصاحت کی — قلم میں زور قلمرو میں شہرۂ فانی
نظام دفتر نطق ایک دم میں نظم کیا — دکھائی شعر میں فکر سخن کی جولانی
نقاط شعر پہ ہیں خال گل رُخاں اسپند — سخن کے حسن پہ قربان ماہ کنعانی
رہی ہمیشہ یہ کوشش کسی طرح سے ملے — جہاں میں ہم کو بھی علم و ادب کی دیوانی
خیال آگیا دیوان لکھ کے چھپوایا — کہ جس میں خاص مضامین کی ہی فراوانی
ہمیں سمجھتے ہیں ای شاد مصلحت ان کی — نکالی خوب ہی تدبیر یہ باآسانی

یہ کلک شاد نے تاریخ کا لکھا مصرع
بقائے ہستی فانی ہی حکمت فانی
۵۳ ۱۳ ھ

ایضًا

شاعروں میں شہرت شوکت علی فانی ہی آج — نکتہ رس شیریں سخن ہر بات ہی ان کی نبات
سال فصلی لکھ کے دو ای شاد بہر یادگار — دائما دیوان فانی باقیات الصالحات
۴۳ ۱۳ ف

تمت

انجمن کی چند نئی مطبوعات

معلوماتِ سائنس — اِس کتاب میں سائنس کے نہایت اہم مسائل یعنی ٹیلیفون، گراموفون، موٹر، ہوائی جہاز، لاسلکی، ریڈیو وغیرہ کو نہایت سلیس زبان میں پیش کیا گیا ہی متعلقہ مضامین کی وضاحت کے لیے متعدد تصاویر اور بلاک بھی دیے گئے ہیں حجم دو سو صفحوں سے زاید قیمت مجلد (عہ) غیر مجلد (عہ)

ہماری نفسیات — E. A. MANDER کی کتاب Psychology for Every Man and Woman کا ترجمہ ہی اس میں نفسیات کے مختلف پہلوؤں پر خوب دل چسپ بحث کی گئی ہی۔ قیمت مجلد ایک روپیہ چار آنے (عہ) غیر مجلد ایک روپیہ (عہ)

انتخابِ وحید — وحید اکبر الہ آبادی کے اُستاد تھے اور اپنے زمانے کے مشہور شاعر تھے! ان کا کلام اب تک نہیں شایع ہوا تھا۔ یہ پُر گو شاعر تھے اور ان کا کلام دو ضخیم جلدوں میں ہی۔ انجمن نے بڑی کوشش سے اسے دستیاب کیا اور اب اُس کا انتخاب شایع کیا ہی۔ اُمید ہی وحید کے کلام کے مشتاق اس کی ضرور قدر کریں گے قیمت مجلد (عہ) غیر مجلد (عہ)

شکُنتلا — یہ کالی داس کی مہا تصنیف ہی۔ اس کا ترجمہ دنیا کی تمام شایستہ زبانوں میں ہو چکا ہی۔ اردو میں بھی اِس کا وجود ہی لیکن مسخ صورت میں۔ اب پہلی بار راست سنسکرت سے سید اختر حسین صاحب رائے پوری نے اردو میں ترجمہ کیا ہی اور اس امر کا التزام کیا ہی کہ کالی داس کی خوبیوں کو قایم رکھا جائے حجم ۱۴۶ صفحات قیمت مجلد (عہ) غیر مجلد (عہ)

اندرونِ ہند — نامور تُرکی خاتون خالدہ ادیب خانم کی جدید تصنیف Inside India کا ترجمہ ہی جو مولوی سید ہاشمی صاحب نے بہت فصیح اور سلیس زبان میں کیا ہی۔ انھوں نے مختلف یونیورسٹیوں میں لکچر دیے اور انھیں اِس ملک کے دیکھنے اور یہاں کے نامور اصحاب سے ملنے کا موقع مِلا۔ اِن کے مشاہدات اور خیالات پڑھنے کے قابل ہیں۔ بہت دل چسپ کتاب ہی۔ حجم ۳۶۴ صفحات، قیمت مجلد تین رُپے چار آنے (سہ) غیر مجلد تین رُپے (سے)۔

انجمنِ ترقیٔ اُردو (ہند) دہلی